فائزہ افتخار

مان جاؤ

اپنی بات

علم و عرفان پبلشرز کے ساتھ یہ میری دوسری کتاب ہے۔ دیکھتے ہیں یہ سفر کہاں تک جاتا ہے اور اس سفر کے دوران قافلے میں کتنے قاری شامل ہوتے ہیں۔

اس کتاب میں میرا ایک نیا ناول جو کہ میں نے کافی الگ لکھے ہیں، شامل کئے گئے ہیں۔ اُمید ہے کہ میرا یہ ناول پڑھنے والوں کو پسند آئے گا۔

آپ کی رائے کی منتظر۔

فائزہ افتخار

مان جاؤ

ستر کی دھائی لوگوں کو آج بھی فیسی نیٹ کرتی ہے...... نجانے کیوں......

فلموں ڈراموں میں دھرا دھرا کے وہ بڑے بڑے گول چشمے...... کھلے پائینچے کے فلیپر...... ل بائم...... مردوں کی لمبی لمبی مضحکہ خیز قلمیں...... پسلیوں تک کس کے باندھی ہوئی پتلونیں اور ان پہ لی بھرے بکل والی چوڑی چوڑی بیلٹیں...... عورتوں کے اونچے جوڑے...... گالوں پر لہراتی لٹ جسے ل لگا لگا کے تازیانے کی شکل دی جاتی...... بڑے بڑے پولکا ڈاٹس...... چوڑے چوڑے چیک والے پرنٹ...... یہ سب آج کل بہت شوق سے دکھایا جاتا ہے...... چاہے فلموں کے کوئی ڈریم سیکوئنس والے گانے ہوں...... چاہے فلیش بیک کے مناظر...... چاہے فینسی ڈریس شو یا پھر کسی پارٹی کی تھیم......

لیکن رنگ محل کے علاقے سنہری مسجد میں وہ گھر آج بھی ایسا ہے جہاں کے لوگ اور ان کی بود و باش ستر کی دھائی کے حصار سے نکل ہی نہیں پائی......

زمانہ بدلا...... روایتیں بدلیں...... سوچ بدلی...... فیشن کئی آئے، کئی گئے...... رسم و رواج...... نظریات...... سب کی کایا پلٹ ہوئی مگر اس گھر میں سالوں اور دھائیوں سے کسی تبدیلی کے آثار نظر نہیں آئے۔

اب جہاں ہر گھر میں اپنے ہاتھ وقت کی ضرورت ہے...... اس گھر میں آج بھی داخلی

دروازے پہ لمبی سی تنگ و تاریک اور سیلن کی ماری...... ادھڑے فرش والی ڈیوڑھی کے ایک سرے پہ بیت الخلاء تھا اور گھر کے پچھواڑے والے آنگن میں سیڑھیوں کے نیچے بنا غسل خانہ...... جس میں زبیدہ چاچی کے جہیز کا جست کا حمام بھی رکھا تھا، جس کے پیندے کو زنگ کھا رہا تھا اور بہتے زنگ کے قطرے غسل خانے کے چپس والے فرش پہ گہرے نارنجی دھبے چھوڑتے رہتے تھے۔

کبھی ڈیوڑھی میں قطار بنی رہتی، کبھی آنگن میں غسل خانے کے باہر۔ سب اپنا اپنا تولیہ کاندھے پہ ڈالے...... اپنا اپنا صابن ہاتھ میں لیے، باری کا انتظار کر رہے ہوتے اور جو فرد اس وقت غسل خانے میں موجود ہوتا، اس سے با آواز بلند دریافت کر کے تسلی کر رہے ہوتے......

"جیوندا ایں کے مر گیا ایں"

کچھ سال پہلے تاؤ جی نے حاتم طائی کی قبر پر لات مارتے ہوئے آنگن میں بیٹھک کی دیوار کے ساتھ ایک واش بیسن بھی لگوا دیا تھا تاکہ کم از کم منہ ہاتھ دھونے اور منجن کرنے والوں کو اتنے طویل انتظار کی کوفت نہ اُٹھانی پڑے۔ سالوں کے استعمال...... بلکہ کثرت استعمال کے بعد یہ واش بیسن جو کبھی ہلکا سرمئی ہوا کرتا تھا، آج ایک نامعلوم سی گدلی سی رنگت میں تبدیل ہو چکا تھا اور غلاظت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

آج جہاں ماسیاں بھی سر دھونے کے لیے شیمپو اور نہانے کے لیے لیکس یعنی فلمی ستاروں والا صابن استعمال کرتی ہیں، یہاں اب بھی رات کو باقاعدگی سے آملے ریٹھے بھگوئے جاتے اور صابن تو وہی لال والا لائف بوائے زندہ باد......

باورچی خانے میں بھی ابھی تک دادی نے کھڑے ہو کے پکانے والا رواج داخل نہ ہونے دیا تھا...... زمین پہ رکھے چولہوں کے ساتھ چوکی دھرتی تھی...... کہ بقول دادی کے کھڑے ہو کے پکانے میں برکت نہیں رہتی...... اس کے دوسرے فائدے بھی بڑے تھے۔ یہ ہے تائی...... پھر چاچی...... دونوں ہی گھٹنوں اور جوڑوں کے درد کو بہانہ بنا کے کھانا پکانے سے معذوری ظاہر کر چکی ہیں کہ اس وزن کے ساتھ اور گھسے ہوئے جوڑوں کے ساتھ چوکی پہ اُٹھنا بیٹھنا ان کے لیے محال تھا۔ ان کی بہوویں بھی جب اُمید سے ہوتیں...... اسی مہربان چوکی کی وجہ سے کھانا پکانے سے عارضی کنارہ کشی اختیار کر لیتیں۔

لاؤنج...... ٹیرس...... ان سب کا ذکر فضول تھا...... ڈیوڑھی کے دائیں بنے دو کمرے جو تائی

چاچا چاچی کے تھے...... بائیں بنے بیت الخلاء...... بستر ے رکھنے کے سٹور اور مہمانوں کی ...ک کے بعد پچھواڑا آنگن تھا...... جس میں سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں...... ان کے نیچے بنا چکنے فرش ...غسل خانہ...... جس پہ آئے دن کوئی نہ کوئی پھسل کے اپنے گوڈے گٹے تڑواتا اور پھر لوہاری جا ...جراح محمد صدیق کی جیبیں بھرتا رہتا تھا۔ آنگن میں ہی باورچی خانہ تھا اور اس کے ساتھ ایک آدھا ...ر شدہ کوٹھڑی نما کمرہ۔ چھت تھی...... تین اطرارف دیوار بھی تھی۔ اس میں چاچی کی بہو کے جہیز کی ...شنگ مشین تھی...... جو چار سال پہلے اس گھر میں آئی تھی اور جس میں ابھی تک دادی، دادا، تائی تاؤ، ...یا چاچا چاچی کے کپڑے دُھلنا سختی سے منع تھے، ان کے کپڑے ابھی تک ہاتھ سے دُھلتے اور دابڑے ...گھر کے بنائے کالے صابن پر رگڑے جاتے...... اس کوٹھڑی میں دو موٹر سائیکلیں اور تین سائیکلیں ...ی کھڑی تھیں۔

اوپر چار پانچ چھوٹے چھوٹے ڈربے نما کمرے دس بارہ سال پہلے بنائے گئے تھے، جب تاؤ تائی اور چاچا چاچی نے اپنے بچوں کے گھر بسائے تھے...... کمرے نیم تاریک تھے...... ہوا کا ...زر نہ ہونے کے برابر تھا...... ہر کمرے میں سامان بے تحاشہ ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے ایک عجیب سیلن زدہ مہک پورے گھر میں چکراتی پھرتی...... اس مہک کا کوئی ایک نام یا پہچان نہیں تھی...... اس میں فنائل کی گولیوں کی مہک بھی تھی، دادا کے چورن اور دادی کے گھٹنوں پہ لگانے والے بدبودار تیل کی بھی...... گھر میں جو بھی کھانا پکتا اس کی بو بھی دیواروں سے ٹکریں مارتی پھرتی...... دیسی گھی کی خوشبو...... ساگ کی...... مونگروں کی...... گونگلو کی...... غرض یہ گھر نہیں مختلف خوشبوؤں اور بدبوؤں کا مرکب تھا۔

☆☆☆

دن کا آغاز دادا جی کی کھانسی سے ہوتا......

انہی کے کھانسے پہ مرغ بیدار ہو کے بانگ دیتا تھا......

جن دنوں دادا جی کی کھانسی کو افاقہ ہوتا، مرغ بھی پروں میں منہ لپیٹ کے دن چڑھے تک اونگھتا رہتا...... یہ دو مرغے اور گیارہ مرغیاں ڈھیر سارے چوزوں کے ساتھ آنگن کے مکین تھے اور دادا جی اور دادی جی اس آنگن میں سال کے آدھے مہینے مکین رہتے...... ساون بھادوں اور جاڑے میں ان کی چارپائیاں ڈیوڑھی میں گھسیٹ جاتیں اور آدھی رات کو بیت الخلاء جاتے تاؤ اور چاچا ان

چارپائیوں سے ٹکراتے اور زیرِ لب بڑبڑاتے رہتے......

''میری دوائیاں مُک گئیں''

دادا جی کی آنکھ کھلی تو دادی جی شاید اسی انتظار میں ان کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ ان کو جاگتے دیکھ کے فوراً شکایت داغ دی......

''اور نہ اشرف نے پوچھا ہے نہ سہیل نے''

''میرا اپنا حقہ ٹھنڈا پڑا ہے، کسی کو خیال ہی نہیں آتا''

اور دن چڑھتے ہی دونوں اپنے محبوب مشغلے میں مگن ہو گئے، یعنی دُنیا کی بے ثباتی...... بیٹوں کی بے اعتنائی اور بہوؤں کی بے مروتی کے ساتھ ساتھ پوتے پوتیوں کی بدلحاظی کے رونے رونے لگے...... ساتھ ساتھ وقفے وقفے سے ان گنت اور مختلف نوع کی بیماریوں کا تذکرہ بھی ہوتا رہا......

☆☆☆

اور یہ تاؤ تائی کا کمرہ تھا......

دونوں ساٹھ کے پیٹے میں تھے......

دونوں کو نیا نیا شوگر کا مرض لاحق ہوا تھا......اور اپنے بوڑھے ماں باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے وہ بھی اب اپنی اپنی بیماریوں کا تذکرہ تواتر سے کرنے لگے تھے۔ تائی جی ایک قدم آگے تھیں...... بلکہ دو قدم...... ایک قدم اس لیے کہ انہیں شوگر وراثت میں ملی تھی...... ان کا سارا میکہ شوگر کا مارا تھا...... کوئی تاؤ جی کی طرح شوگر کے معاملے میں نو دولتی نہیں تھی......اور دوسرا قدم اس لیے آگے تھا کہ انہیں شوگر کے ساتھ ساتھ بلڈ پریشر کا عارضہ بھی تھا۔

''اکمل ذرا کہنے میں نہیں رہا......''

تاؤ جی نے چھوٹے والے بیٹے کا گلہ کیا...... جو ذرا بے دید سا تھا...... بڑا اجمل ان کے ساتھ ہی اعظم کلاتھ مارکیٹ والی دُکان پہ ہوتا تھا اور ان کا دستِ راست تھا......اکمل سے البتہ انہیں ہمیشہ شکوے رہے۔ ایک تو شادی سے پہلے ہی اس نے لڑ جھگڑ کے اپنی دُکان الگ بنوائی...... اور رنگلا مارکیٹ میں...... اوپر سے شادی کے اگلے ہی سال ایسا خسارہ دکھایا کہ دُکان سے سیدھا تھڑے پہ آ گیا...... آج کل اچھرے بازار میں کسی دُکان کے باہر تھڑے پہ کٹ پیس لگاتا تھا......اور سونے پہ سہاگہ بیوی بھی کان کترنے والی آئی...... ساس سے...... چاچی ساس سے...... دیورانی، جٹھانی سب

ٹھنی رہتی......

''وہ تو شروع سے ہی اتھرا تھا۔ یاد ہے بچپن میں بھی ایک چپیڑ کھانے کے بعد کیسے آگے تن کے کھڑا ہو جاتا تھا''۔

''اب خود بال بچوں والا ہو گیا ہے...... جو کرے گا اس کے بچے بھی دیکھ رہے ہیں...... کل کو ں کے آگے ہی آئے گا''۔

تاؤ جی نے واسکٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے کہا۔

''ہائے ہائے...... خیری صلا...... اللہ نہ کرے جو میرے اکمل کی اولاد اس کے حق میں بُری ثابت ہو......البتہ روبینہ کے ساتھ بڑی بُری ہونی ہے......تم لکھوا کے رکھ لو''۔

روبینہ ان کی بہو تھی...... ذات کی ککے زئی...... رج کے لڑاکا......

☆☆☆

اور یہ چاچی اور چاچا کا کمرہ تھا......

چاچا جی کی ہال روڈ پہ دکان تھی...... سیکنڈ ہینڈ مشینوں کی۔ دونوں پچاس کے پیٹے میں تھے

تین بیٹیاں مناسب وقتوں میں بیاہ چکے تھے...... دو کو انٹر تک ایک کو بی اے تک پڑھایا...... اور بیس کا ہونے سے پہلے تینوں کو اپنے اپنے گھر کا کر دیا...... چاچی تائی کی نسبت بڑی سلیقہ شعار اور کھ ہستن عورت ہے...... سالوں سے اس نے پائی پائی جوڑ کے جہیز بنائے...... لڑکیوں کو گھرہستی سکھائی۔ کالج تک پڑھایا بھی......بس ایک بیٹی ابھی بیاہنی باقی تھی...... فریحہ جو بی۔ اے کے امتحان ے رہی تھی اور اکلوتا بیٹا بھی...... جو دو بہنوں سے چھوٹا اور دو سے بڑا تھا...... پڑھانے کی کوشش تو انہوں نے ندیم کو بھی کی تھی مگر وہ دسویں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ایک عجیب سا نخرہ جو عموماً تین چار بہنوں کے اکلوتے بھائیوں میں آ جاتا ہے، وہ اس میں تھا...... اور ایک مخصوص قسم کی بے زاری اور بڑاپن جو تیس کے قریب آ کے بھی شادی کے آثار نہ پانے پہ پیدا ہو جاتا ہے، وہ بھی اس میں بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔

ندیم پہلے باپ کے ساتھ ہی ہال روڈ پہ ہوتا تھا، اب اس نے دو ڈھائی سال پہلے موبائل پیئر تک وغیرہ کا کورس کر کے گھر کے پاس ہی ایک دُکان ڈال لی تھی...... خوب چلتی تھی...... بس ماں

باپ کے سامنے اس کی ایک نہ چلتی تھی...... خصوصاً شادی کے معاملے میں...... چاچی جی بیٹے کے لیے بہو لانے کے معاملے میں بہت محتاط تھیں...... آخری بیٹی کو بیاھنے کے بعد کہیں بہو لانے کا ارادہ تھا اور آخری والی یعنی فریحہ کا بی اے کرنے کے بعد آگے بھی پڑھنے کا فل موڈ تھا...... دراصل چاچی تائی کے تجربے کے بعد بہت ڈر گئی تھیں...... تائی کو بیٹے بیانے کے اتنے ارمان تھے کہ اکلوتی بیٹی کو نظر انداز کر کے پہلے بہوئیں لے آئیں...... اب بیٹے تھے کہ پھٹے پہ ہاتھ نہ دھرنے دے رہے تھے۔ اوپر سے سال کے ساتھ دونوں کے بچے پہ بچے پیدا ہو رہے تھے۔ خرچے اتنے بڑھ گئے تھے کہ بیٹی کے لیے کچھ بنانے کے واسطے بچتا ہی نہیں تھا۔

''ٹھنڈ تو جانے کا نام نہیں لے رہی...... توبہ......''

چاچی نے وزن خاصا بڑھا لیا تھا...... اوپر سے جوڑوں کی تکلیف...... سردی ہو یا گرمی...... وہ ہر موسم سے اوازار رہتی تھیں۔

''شکر کر ابھی ٹھنڈ ہے...... ورنہ لاہور میں تو فروری ٹھنڈا گزر جائے، بڑی بات ہوتی ہے...... اچھا ہے کہ گرمی ابھی دور ہے ورنہ بجلی کے بل...... حبس اور لوڈ شیڈنگ سارے مل کے مارے دیتے ہیں بندے کو......''

''جو بھی ہے ندیم کے ابا...... مجھے تو سردیاں اندر سے آدھا کر دیتی ہیں...... گرمیاں اچھی ہوتی ہیں''

''ہاں ہاں...... تمہیں تو گرمیاں اچھی لگیں گی۔ تمہارے ایک بھائی کی قلفے فالودے کی دُکان ہے اور دوسرے کا ائیر کولر بنانے کا کاروبار ہے۔ ان کی تو کمائیاں ہی گرمیوں میں ہوتی ہیں''۔

چاچا جی نے قلموں سے نکلتے سفید بالوں پہ کالا کولا لگاتے ہوئے چھیڑا۔

''تسی باز نہ آنا ٹچکریوں سے''

میکے کی بات آتے ہی وہ تپ گئی۔ پہلے ہی میکے کا بڑا مان اوپر سے جب سے ایک بیٹی بھائی نے دوسری بیٹی بہن نے لی تھی، تب سے وہ اُٹھتے بیٹھتے چاچا جی پہ میکے کے احسان بھی جتاتی رہتیں اور ان کے بڑے بھائی کی بے مروتی بھی...... جس نے دونوں بیٹے بیاہتے ہوئے جھوٹے منہ بھتیجوں کو نہ پوچھا تھا......

''اچھا ذرا ایک ہزار کا نوٹ تو دینا''۔

چاچا جی عرصہ دراز سے چاچی جی کو اپنا سیونگ اکاؤنٹ بنائے ہوئے تھے...... پٹرول، پان اور سگریٹ کے خرچے کے لیے بھی اُن سے پیسے مانگتے......

''وہ کس لیے؟''

وہ گھٹنوں پہ مرہم لگاتے لگاتے تیوری پہ بل چڑھانے لگیں

''اماں جی کی دوائیں لانی ہیں اور ابا جی کے لیے توت سیاہ''

''ایک تو ان کی دواؤں کے خرچے ہی پورے نہیں ہوتے...... اور تھوڑے خرچے ہیں؟'' وہ بڑبڑاتی ہوئی گریبان سے بٹوا نکالنے لگیں۔

''ندیم نے قسطوں پر موٹر سائیکل لینی ہے...... فریحہ کے لیے کنگن بننے ہیں...... اس مہینے بستر ے بھی پورے کر کے جہیز کا ٹرنک بند کرنا ہے...... اگلے مہینے سے برتن پانڈے جمع کرنے ہیں۔ ان دوائیوں کا کوئی فائدہ تو نظر نہیں آتا''۔

وہ بڑبڑاتی ہوئی نوٹ نکال رہی تھیں اور چاچا جی سکون سے بال رنگ رہے تھے...... دِل میں یقین جو تھا کہ ساری کڑواہٹ اور بڑبڑاہٹ کے باوجود چاچی نے بہرحال ہزار کا نوٹ ان کی ہتھیلی پہ رکھ دینا تھا۔

☆☆☆

''چائے ٹھنڈی ہوگئی ہے''۔

اجمل نے اپنی داڑھی میں سے جھانکتے سفید بالوں کو چن چن کے شکار کرتے ہوئے مسرت کو اطلاع دی جو شاید دھوبی گھاٹ سجانے کی تیاری میں تھی۔ کمرے کے مختلف کونوں سے برآمد کیے میلے کپڑوں کا ڈھیر اُٹھائے، بس باہر نکل ہی رہی تھی۔ شوہر کی اطلاع پہ اس کی تنگ پیشانی پہ ناگوار شکن نے جھاتی ماری، مگر بی بی بیویوں کی طرح لہجے پہ اس اوازاری کی جھلک بھی ڈالے بغیر کہنے لگی۔

''ابھی گرم کر لاتی ہوں''

''نہیں...... چائے گرم کرنے سے مکروہ ہو جاتی ہے''۔

''ہیں جی''...... وہ حیران ہوئی...... تنگ پیشانی اور بھی سکڑ گئی۔

''پیر صاحب نے بتایا ہے''۔

وہ اللہ جانے کس پیر صاحب کے ہاتھوں میں جا پڑا تھا...... شلوار اونچی ہوئی...... داڑھی رکھی

گئی...... پنج وقت نماز بھی شروع ہوئی...... یہاں تک تو سب خوش تھے مگر کمرے کمرے سے کیبل کا کنکشن نکلوانا...... باقیوں کو بھی اس کی ترغیب دینا...... مسرت کو زبردستی چادر سے برقعے میں لانا...... روبینہ (چھوٹے بھائی کی بیوی)، فریحہ (چاچا جی کی بیٹی) اور ارم (اپنی سگی بہن) ان سب کو اُٹھتے بیٹھتے بھنویں ترشوانے، بالوں کی لٹیں نکالنے، نیل پالش لگانے، آدھی آستینیں پہننے پہ لیکچر دینا...... ندیم (چاچا زاد بھائی) کو زبردستی باجماعت نماز میں لے جانے کی کوشش کرنا...... اپنی ماں اور چاچی کو خاندان بھر کی غیبت سے روکنے کی نصیحت کرنا...... یہ سب کسی کو وارے نہیں کھاتا تھا......

دادا جی جن کو گلہ تھا...... پوتے انہیں پوچھتے نہیں ہیں، وہ بھی اجمل کو اپنی جانب آتے دیکھتے تو جھوٹ موٹ کے خراٹے بھرنے لگتے...... منحوس ایسا تھا کہ موت کا منظر اور قبر کے عذاب کے پورے پورے باب زبانی رٹ رکھے تھے، ایسے خوفناک نقشے کھینچنے لگتا کہ وہ جو عرصے سے بقول شخصے قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے، ڈر کے مارے فوراً پیر واپس اوپر کھینچ لیتے۔

''ناں یہ چائے کیسے مکروہ ہو جاتی ہے، گرم کرنے سے؟''

مسرت کے سوال پہ وہ پلیٹ کے گھورنے لگا۔

''آگے سے سوال کرتی ہے جہنمی عورت؟''

ایک تو پیر صاحب کا چشمہ لگانے کے بعد اسے ہر بندہ جہنم کا رہائشی نظر آنے لگا تھا۔

''کوئی تو وجہ بتائی ہوگی، پیر صاحب نے؟''

اس بار ذرا دبک کے پوچھا گیا۔

''پیرو مرشد سے سوال نہیں کیے جاتے...... اور نہ شوہر سے'' جا...... جا کے تازی چائے بنا''۔

مسرت نے مصیبتوں سے اکٹھا کیا میلے کپڑوں کا ڈھیر فوراً نیچے دے مارا......

''دیکھتی ہوں...... روبینہ مل مار کے بیٹھ گئی تھی چولہے پہ...... خالی ملا تو بنا دوں گی، ورنہ سویرے سویرے اس ککے زین کے متھے کون لگے''۔

روبینہ چونکہ پکی لاہورن تھی...... اوپر سے ذات کی ککے زئی......

جنگجو طبیعت کے ساتھ ساتھ زبان و لہجہ کا ایک مخصوص انداز ان لوگوں کی پہچان ہے۔ یہ ہمیشہ ''ر'' کو ''ڑ'' اور ''ڑ'' کو ''ر'' بولتے ہیں۔ اب چونکہ روبینہ مسرت کو مسڑت کہتی تھی تو تپ کے وہ بھی اسے ڑوبینہ کہنے لگی تھی مگر غائبانہ...... اس کے سامنے اسے کچھ کہنے کی ہمت کسی میں کم ہی تھی......

روایت چلی آ رہی ہے کہ ککے زئی پیڑیاں بچھا کے، چولہے بجھا کے سکون سے آمنے سامنے بیٹھ کے لڑا کرتے ہیں...... سردیاں ہوں تو آگ جلا لی جاتی ہے...... لحاف پاس رکھ لیے جاتے ہیں...... یعنی پورے اہتمام اور فرصت کے ساتھ باقاعدہ موڈ بنا کے۔

☆☆☆

''بیڑہ غرق''

روبینہ نے شوں شوں پھونکیں مارتے چولہے کو ٹھڈا رسید کیا......

''اللہ اس حکومت کے گردے میں دڑد ڈالے جو چولہوں سے گیس بھی چھین کے اپنے خزانے میں بھر رہی ہے''۔

''حکومت کے گردے میں درد ہوا بھابھی تو وہ سرکاری خرچے پہ بیرونِ ملک علاج کے لیے چلی جائے گی اور یہ خرچہ بھی ہمارے بلوں میں اضافہ کر کے نکالا جائے گا''۔

فریحہ جو کالج جانے کے لیے تیار تھی اور اب ناشتے کی تلاش میں آئی تھی...... فوراً قابلیت جھاڑنے لگی۔

''ایک تو میڑی باڑی ساڑوں سے آخڑ میں آتی ہے۔ اوپڑ سے گیس بھی دفع ہوگئی ہے''۔

فریحہ کو جان کی امان چاہیے تھی، اس لیے کہتے کہتے رہ گئی کہ ساروں میں سے آخر میں جاگے گی تو باری بھی آخر میں آئے گی۔

''اب میں تمہاڑے بھائی کو ناشتے میں کیا دوں؟ اپنا کلیجہ؟''

''مجھے جلی سڑی چیزیں موافق نہیں آتی''۔

کچن کے باہر سنک پہ منہ پہ چھپاکے مار مار کے لال صابن کی جھاگ چھڑاتے اکمل نے تمہ دیا...... ایک بس اس کی ہمت تھی جو مردِ مجاہد بن کے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال لیا کرتا تھا۔

''گھڑ سے نہیں ساڑ کے لائی تھی کلیجہ...... تمہارے اس حویلے میں آ کے سواہ ہوا ہے۔ تمہاڑے اگلے پچھلے مل کے بھونتے رہتے ہیں مجھے''۔

روبینہ آستینیں چڑھا کے اپنے مجازی خدا کے مزاج ٹھکانے لگانے لگی اور فریحہ نے دودھ سوڈے کا گلاس ہی ناشتے کے نام پہ پینے کا ارادہ باندھا۔

☆☆☆

ارم بجھے دل کے ساتھ بجھے ہوئے گیروی رنگ کا جوڑا استری کر رہی تھی، جب تائی جی بڑبڑاتی اندر داخل ہوئی۔

''بہت ہی زبان کھلتی جا رہی ہے روبینہ کی''۔

''بندھی ہوئی کب تھی؟''

ارم کے ہاتھوں نے حرکت پکڑی، وہ ایسے زور لگا لگا کے استری پھیرنے لگی جیسے زیادہ زور لگانے سے بجھا ہوا رنگ لشکارنے مارنے لگے گا۔

''سب اکمل کی چھوٹ ہے...... ایسی زنانیوں کو ٹھڈے کی نوک پر رکھنا چاہیے...... گت مروڑ کے دو چار کرارے ہاتھ ماریں ہوں تو پھر دیکھو کیسے نکلتی ہے آواز''۔

''پھر تو زیادہ شور مچائے گی وہ...... آپ کا خیال ہے روبینہ مار کھا کے دبنے والی عورتوں سے ہے''۔

ارم اسے بھابھی وغیرہ کہنے کا تکلف نہیں کرتی تھی...... چھوٹے بھائی کی بیوی...... اور ایسی بدزبان اور ہتھ چھٹ بیوی...... اسے تو اوقات میں ہی رکھنا چاہیے''۔

''میں تو سکے زیئوں کی لڑکی لا کے پچھتا رہی ہوں''۔

''لانے کا شوق بھی تو بہت تھا''۔

استری کی سپیڈ اور تیز ہوئی...... وہ وقت یاد آیا جب چاچی جی بڑے خلوص سے ارم کے ہاتھ پیلے کرنے کے مشورے دیتی تھیں اور تائی جی اکمل کے لیے حور پری لانے چپلیں گھسا رہی تھیں۔

''اب مجھے کیا پتا تھا، ایسی نکلے گی''۔

''لوگ شکلوں سے دھوکا کھاتے ہیں...... روبینہ کی تو شکل یہ کہتی ہے کہ وہ چنگیز خان کی نسل سے ہے...... پھٹکار ماری صورت سے بھی آپ کو سمجھ نہ آئی...... پتا نہیں کیسے بال سفید کیے ہیں آپ نے...... ضرور دھوپ میں ہی کیے ہوں گے''۔

''چل چل وڈی سیانی نہ بن......''

تائی جی بلبلا کے ڈانٹنے لگیں۔

''اور یہ لعنتی چار سال پرانا جوڑا اتنا دبا دبا کے استری کرنے کی کیا ضرورت ہے...... بجلی سستی نہیں ہے''۔

''لعنتی ہے...... چار سال پرانا ہے تبھی تو دبا دبا کے استری کرنے کی ضرورت ہے۔ نیا تو ویسے بھی پہن لو تو پھب جاتا ہے مگر نیا قسمت میں کہاں''۔

''جب یہ نیا تھا تب کون سا لاٹیں مارتا تھا...... پتا نہیں کیوں تو مسرت کی مشین میں کپڑے دھوتی ہے۔ اس کا احسان الگ اور کپڑے جو برباد ہوتے ہیں وہ الگ...... لوہے کی مشین تو کپڑے کا ناس مار دیتی ہے''۔

''لوہے کی مشین نہیں...... کالے صابن کا دابڑا''

''تو تُو دھولیا کر پوڈر سے کپڑے...... جو پوڈر مل کے نکالنے پہ بھی ہاتھوں سے نہ اُترے، وہ کپڑوں سے نکلتا ہوگا؟...... ویسے بھی خوشبو والی چیزیں حرام ہوتی ہیں''۔

''یہ اجمل بھائی جان نے کہا ہوگا...... ان کے پیر صاحب کو بڑا شوق ہے، روز دس چیزیں حرام کرنے کا''۔

''بکواس نہ کر...... ایک تو میری اولاد اللہ والی ہے...... دوسرا تو بڑا بیوی جوگا...... اور تو زبان چلانے جوگی......''

وہ چپل گھسیٹتی کمرے سے باہر نکلیں اور ارم استری کا پلگ کھسوٹ کر رونے بیٹھ گئی۔

''ہاں...... میں صرف زبان چلانے جوگی...... مجھے کسی اور جوگا رہنے جو نہ دیا کسی نے...... سلیمہ اور حلیمہ کی طرح میرا بھی گھر بار ہوتا، میں اسے سنبھالنے جوگی ہوتی...... ان کی طرح میرے بھی بچے ہوتے...... میں انہیں پالنے جوگی ہوتی''۔

☆☆☆

''ندیم...... دکان پہ نہیں جانا؟''

چاچا جی نے نکلتے نکلتے ندیم سے پوچھا جو نور کا مارننگ شو لگائے اسے حریصانہ نظروں سے تاڑ رہا تھا۔

''ٹھہر کے جاتا ہوں''

اکھڑے لہجے میں جواب ملا...... نظریں ہنوز نور کے نور پہ جمی تھیں۔

''گیارہ تو بج گئے ہیں، آدھے گھنٹے کا راستہ ہے اور کتنا ٹھہر کے جانا ہے...... رزق کو انتظار نہیں کراتے پتر''۔

''مارکیٹ کھلتی ہی بارہ بجے ہے۔ میں گیارہ بجے جا کے کیا کروں؟'' اور ستی سویرے کون اپنے موبائل کمپوٹر اُٹھا کے میرے پاس لائے گا، مرمت کرانے''۔

وہ پھاڑ کھانے کو دوڑا......

اس کے انداز میں جور کھائی...... جو بدلحاظی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی، وہ چاچا جی کو باز رکھتی تھی اس کے مُنہ لگنے سے...... ناگواری سے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے وہ نکلنے لگے...... ندیم نے توجہ ایک بار پھر ٹی وی کی جانب مرکوز کرنی چاہی...... مگر اب نور بھی زہر لگ رہی تھی۔ جبڑا اینٹھا کر کے بولتی ہوئی......

☆☆☆

جس اوازار انداز میں دن کا آغاز ہوا تھا، وہ اوازاری سارا دن ہی گھر کے ہر مرد کے مزاج پر چھائی رہی......

سوئی گیس دوپہر تین بجے تک نہ آئی...... دوپہر کو گھر کی عورتوں نے بازار سے ٹھنڈے نان پکوڑے منگوا کے مزاج اور گرم کیے۔ دادی سے چونکہ نان چبایا نہیں جاتا تھا اور دادا سے پکوڑے پچائے نہیں جاتے تھے، اس لیے دونوں نے جی بھر بھر کے اولاد کے رونے روئے۔

روبینہ نے اکمل کی اور اکمل نے روبینہ کی خوب مٹی پلید کی...... اجمل کو حرام چائے وہ بھی ٹھنڈی ٹھار ہی پینی پڑی، اس لیے وہ بھی کام پہ نکلتے نکلتے مسرت کا ایسا بندوبست کر گیا کہ اب سارا دن مسرت نام کا کوئی جذبہ اس کے پاس بھولے سے بھی بھٹکنے نہ والا تھا۔

ندیم جلتا بھنتا دکان پہ پہنچا اور وہاں اس کا دِل جلانے کا مزید سامان موجود تھا...... اس کے ایک دوست کی شادی کا کارڈ...... دوست بھی وہ جو عمر میں تین چار سال چھوٹا تھا...... اور اس کی بھی دو بہنیں تھیں...... اس کے گھر والوں نے اس کی بہنوں کا بہانہ بنا کے اس کی شادی نہ روکی تھی...... وہ اور بھی کڑوا زہر ہو گیا......

باپ الگ اپنی دکان پہ اکلوتے بیٹے کی بدتمیزی اور زبان درازی پہ جلتا کڑھتا اور آنے والے وقت کا تصور کر کے خوف زدہ ہوتا رہا......

ارم کا گیروی رنگ کا جوڑا جو بہت وقت اور بہت بجلی لگا کے استری کیا گیا تھا...... پہنے ہوئے شانوں کے جوڑ سے اُدھڑ گیا۔ وہ ہچک ہچک کے رو دی...... ماں کے بھیجے نان پکوڑے بھی نہ

کر دے مارے......

اور تائی جی کو سارا دن الگ قلق رہا کہ اکمل صرف زبان کے جوہر کیوں دکھاتا رہا...... اس نے روبینہ کی دھلائی کیوں نہ کی......

☆☆☆

''یہ لو......''

ندیم نے ماں کے سامنے میرون اور گولڈن رنگ کا شادی کا کارڈ پھینکا۔

''یہ کیا ہے؟''

''توحید کی شادی ہے پرسوں''۔

اس نے جیسے گھر کے صحن میں بم دھماکا ہونے کی اطلاع دی تھی۔

''کون توحید؟''

''میرے ساتھ والی دکان پہ ہوتا ہے...... وہی جس کی امی ایک بار آپ کا پتا بھی کرنے آئی تھی''۔

''وہ طوطانکی؟''

''ہاں جس کے سامنے چائے کا خالی کپ رکھتے ہوئے بھی آپ کی تیوریاں نہیں اُتر رہی تھیں...... وہی''۔

''ہاں تو وہ بھی تو شکر دوپہری منہ اُٹھا کے آ گئے تھے، دونوں ماں بیٹا...... اور بھلا میرا حال پوچھنے آئے تھے تو کوئی جوس، کوئی پھل فروٹ تو لاتے...... خالی ہاتھ کوئی کسی بیمار کا حال پوچھنے آتا ہے...... ایسوں کو ایسے ہی ٹرخاتے ہیں''۔

پھر کچھ خیال آنے پہ متاسف ہوئیں۔

''لیکن تو مجھے پہلے بتاتا کہ توحید کی ابھی شادی نہیں ہوئی تو میں چائے کے ساتھ بسکٹ سموسے رکھ دیتی...... اس کی ماں سے بھی سیدھے منہ بات کر لیتی...... حالانکہ وہ طوطانکی اس قابل تو نہیں تھی مگر خیر...... مطلب کے لیے بندہ بڑا کچھ کر لیتا ہے''۔

''کیا مطلب؟''

''اپنی بہن نہیں نظر آتی تجھے؟...... تیرا دوست کنوارا تھا...... اپنے کاروبار والا تھا تو فریحہ کے

بارے میں ہی سوچ لیتا......''

''مجھے کیا پتا تھا کہ اس کی شادی بھی ہونی ہے''۔

''کیا مطلب؟۔ اس کی شادی نہ ہونے والی کون سی بات تھی بھلا؟''

''اس کی دو بہنیں کنواری ہیں...... مجھے تو یہی لگا جن کی بہنیں بیٹھی ہوں وہ شادی کا نام بھی نہیں لے سکتے......اب مجھے کیا پتا تھا کہ یہ رواج صرف ہمارے ہاں ہے''۔

اس نے موقع پاتے ہی جتا دیا......

''اس کی بہنیں مانگی گئی ہوں گی خاندان میں، اس لیے بے فکر ہوں گے...... یا پھر کھاتے پیتے لوگ ہوں گے۔ چنگا چوکھا جہیز بنا رکھا ہوگا، اس لیے بھی پرواہ نہیں کی ہوگی......جہیز تگڑا ہو تو رشتوں کی کیا کمی''۔

''جہیز تو فریحہ کے لیے بھی سالوں سے جمع ہو رہا ہے''۔

''گدے، رضائیوں، برتنوں کو جہیز نہیں کہتے......سونے کے نام پہ چھ تولے بھی نہیں جوڑا ابھی تک...... جب فرنیچر لینا پڑے، تب لگ پتا جاتا ہے......''

ندیم نئے خرچے کا سن کے اور بھی دل برداشتہ ہوگیا اور چھت پر چلا گیا......

☆☆☆

''کیا حال ہے دادی؟''

فریحہ کی شامت آئی تھی جو من کی موج میں آ کے دادی کو سلام کرنے آ گئی...... ایک تو یہ فراغت بندے سے وہ وہ کام کروا لیتی ہے جس کے بارے میں اسے اچھی طرح پتا ہوتا ہے کہ اس کو کرنے میں نری ذلالت ہے، پھر بھی ویلا بندہ اُکتا کے کر ہی بیٹھتا ہے کچھ نہ کچھ......

''تجھے خیال آ گیا دادی کا حال پوچھنے کا؟''

''خیال آیا ہے تو پوچھ رہی ہوں دادی''

''کہاں سے آ رہی ہے؟''

دادی نے دیدے سکوڑ سکوڑ کر اس کا جائزہ لیا۔

''کالج سے''

''اتنا سرخی پوڈر لگا کے جاتی ہے تو کالج''۔

''ہیں؟ سرخی پوڈر؟''۔

وہ بھونچکا رہ گئی...... ہاشمی سرمے کی ہلکی سی دُم ضرور نکل رہی تھی پپوٹوں سے باہر......اور تبت سنو کریم بھی صبح کہیں ملی تھی چہرے پہ......اب تو اس کے باقیات بھی نہ ہوں گے......

''کون سا سرخی پوڈر دادی؟''

''یہ جو 'بلیاں' (ہونٹ) لال کی ہوئی ہیں......اور کلے جو پھٹنے والے ہو رہے ہیں ان پہ بھی لالیاں چو رہی ہیں''۔

''دادی قسم لے لو، میں نے تو کبھی بازار یا خالہ ماموں کے گھر جاتے ہوئے لپ سٹک نہیں لگائی تو کالج جاتے ہوئے کیا لگاؤں گی''۔

''ایسے فیشن خالہ ماموں کے گھر جاتے ہوئے نہیں، کالج جاتے ہوئے ہی ہوتے ہیں...... سارا پتا ہے مجھے......ایسے ہی تو لڑکیاں کالج جانے کے لیے نہیں مرتیں...... بلا اپنی ماں کو......اسے کہتی ہوں میرے جیتے جی یہ بے حیائی نہیں چلے گی...... کالج جانا ہے تو برقع لے''۔

''برقع؟'' کیا ہوگیا ہے دادی؟ میں نے کوئی میک اپ ویک اپ نہیں کیا......آپ کی نظر کمزور ہوگئی ہے''۔

''چالا کو ماسیئے......نظر خراب ہو تو نظر نہیں آتا...... مجھے صاف نظر آ رہا ہے''۔

''قسم لے لو دادی......'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''بے شک اپنے دوپٹے سے رگڑ کے دیکھ لیں، اگر ذرا سا بھی میک اپ ہوا تو آپ کے دوپٹے پہ لگ جائے گا''۔

''میں کیوں اپنا نماز والا دوپٹہ...... چٹا دودھ دوپٹہ پلید کروں......؟''

''میک اپ سے دوپٹے پلید نہیں ہوتے دادی''

''دیکھا......کر رہی ہے ناں میک اپ کی حمایت''۔

''حمایت کی ہے صرف...... میک اپ نہیں کیا...... جا کے کسی سے بھی مرضی پوچھ لو...... میرے گالوں اور ہونٹوں کا اصل رنگ یہی ہے''۔

''ہاں ہاں......وڈی آئی تو مدھو بالا کی دھی......''

دادی نے جل کے کہا، پھر پاس سے گزرتی ارم کو بلایا......

"اِدھر آ ارم"۔

ارم بُرے بُرے منہ بناتی بادل نخواستہ آئی۔

"یہ دیکھ ارم کی شکل...... ایسی ہوتی ہے بغیر میک اپ کی شکلیں...... کون سی لالی چو رہی ہے اس کے بوتھے پہ...... بتا...... آئی مجھے چکر دینے والی...... میرے گالوں اور ہونٹوں کا اصل رنگ یہی ہے"۔

دادی نے فریحہ کی نقل اُتاری...... وہ تو ہنسنے لگی اور ارم کی سمجھ سے چونکہ سارا معاملہ بالاتر تھا، اس لیے وہ ٹکر ٹکر منہ دیکھ رہی تھی......

"ارم کے ہونٹوں اور گالوں کا رنگ تو بغیر میک اپ کے بھی لال نہیں ہوتا...... تیرا کیسے ہوگیا؟ تو کشمیر سے آئی ہے کیا؟ سادہ چہرہ تو ایسا ہی ہوتا ہے جیسا ارم کا ہے...... پھیکا...... پیلا...... تیری طرح لاٹیں نہیں مارتا......"

فریحہ کی ہنسی کو بریک لگ گئی...... کیونکہ دادی کے بے لاگ تبصرے نے ارم کی ناک سے دھواں نکال دیا تھا، وہ پھنکاریں مارتی، پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

"لگتا ہے ارم ہانڈی چڑھا کے آئی تھی...... شاید لگ گئی ہے، تبھی ناسیں چڑھاتے گئی ہے"۔

دادی نے سادگی سے قیاس ظاہر کیا...... جو فریحہ کے ہونٹوں پہ پھر سے مسکراہٹ لے آیا...... اور دادی کے ہاتھ میں جوتی۔

"دند اندر کر...... آنے دے اپنی ماں کو...... آج بات ہو کے رہے گی...... بند کروائی ہوں تیرا کالج کا آنا جانا"۔

فریحہ سہم کے وہاں سے کھسکی...... وہ تو یونیورسٹی جانے کے ارادے باندھ رہی تھی اور اِدھر کالج پہ پابندیوں کے پروگرام بن رہے تھے۔

☆☆☆

جمعہ کا دِن تھا...... بچوں کے سکول میں آدھی چھٹی...... اور اگلے دن ہفتے کو ویسے ہی سرکاری چھٹی تھی، صوبے بھر میں...... اس لیے حلیمہ اور سلیمہ دونوں ہی بچے ہانکتی جمعے کی نماز کے عین وقت آ پہنچیں۔ دادی نمازِ حاجات سے فارغ ہو کے اب سورۃ کہف کی تلاوت کر رہی تھیں...... رکشے کی پھڑ پھڑاتی مکروہ آوازوں پہ سرد آہ بھر کے رہ گئیں...... سلیمہ اور حلیمہ دونوں کے بچے ناقابلِ برداشت

...ت بڑے ہوئے تھے۔ دادی اور دادا کو تو بطورِ خاص ایسا زچ کر کے رکھتے کہ وہ بلبلا اُٹھتے...... ...ں فکر ہی نہ ہوتی تھی...... وہ بچوں کو بھول بھال پرانی سہیلیوں اور پرانی انارکلی کے چکروں میں ...رہتیں، جب بھی میکے آتیں۔

"وہ دونوں پھر سے آگئی ہیں...... دفع ہونیاں"۔

روبینہ نے مسرت کے کمرے میں جھانک کے اطلاع دی۔

"ہائے میں مرجاواں...... آج تو میری چھوٹی کو تپ بھی چڑھا ہوا ہے...... حلیمہ کے بچوں کو تو ...یر ہے چھوٹی سے...... اسے رُلا رُلا کے مارتے ہیں اور مار مار کے رُلاتے ہیں...... وہ تو حشر کریں ...ے بے چاری کا بخار میں"۔

"ان کی ماؤں نے ان کو اور سکھایا کیا ہے حشر خراب کرنے کے علاوہ...... خیر...... میں ...ان کی سری بوتھیاں دیکھ کے اپنا دِل نہیں سارنا چاہتی...... میں جا رہی ہوں اپنی پھوپھی ...ھر"۔

"روبینہ کے بڑے مزے تھے...... ماں باپ گزر چکے تھے...... گھر پہ دو بھائی تھے بس...... ...ے شادی شدہ...... ایک غیر شادی شدہ...... دِل چاہتا تو بھائی کے گھر جا کے بھابی کے سینے پہ مونگ ...ے، دل چاہتا تو اچھرے میں پھوپھی کے گھر کو میکہ بنا کے رہتی...... بلکہ پھوپھی کے گھر میکے والے ...ں زیادہ تھے...... دراصل چھوٹے بھائی کی منگنی پھوپھی کی ہکلی والی سے کر دی تھی...... منگنی کو ہوگئے ...ونی دو تین سال...... شادی کا نام نہ لیا جا رہا تھا اور ہر بار شادی کی بات ہوتے ہوتے رہ جاتی تو ...ے روبینہ کی کارستانی سے...... وہ جانتی تھی اِدھر پھوپھی کی ہکلی بیاہ کے گھر سے نکلی...... اُدھر اس کا یہ ...یہ دو ختم...... اِدھر پھوپھی بھائی کی ساس بنی، اُدھر اس نے آنکھیں ماتھے پہ رکھ لینی ہیں...... ابھی ...لی جو اس کے اپنے ہاں آنے پہ آگے پیچھے پھرتی ہے...... بریانیاں پکاتی اور اس کی بچیوں کے ...ں سے جوئیں لیکھیں نکالتی خوش رہتی ہے...... بھابی بن کے اس نے بھی جوتے کی نوک پہ رکھنا ...بینہ کو، اس لیے اس سے جہاں تک ہوسکتا تھا، وہ چن چن کے روڑے سنبھال کے رکھتی جاتی تھی ...قع ملنے پہ شادی کے راستے میں اٹکائے جاسکیں۔

مسرت نے حسرت سے روبینہ کو دیکھا جو میکے جانے کی خبر سنا کے مٹکا سی کمر ہلا ہلا کے جا ...ی تھی...... وہ آہ بھر کے رہ گئی۔ پیر صاحب کی صلاح کے بعد اجمل نے اس کے میکے جانے پہ

بھی خاصی پابندیاں لگا رکھی تھیں۔ وہ شیخنی تھی...... شیخوں میں لڑکیوں کی ہڈیوں تک میں شوہر کی اطاعت اور فرمانبرداری کے سبق گھول دیئے جاتے ہیں...... انہیں اچھی تابعدار بیویاں بننے کا بڑا مراق ہوتا ہے...... ایک اچھی شیخ عورت کی طرح یہ جراثیم مسرت میں بھی تھے...... وہ دِل مسوس کے رہ جاتی مگر شوہر کے آگے زبان چلانا...... اس کے حکم کے خلاف جانا...... اس کی تربیت میں تھا، نہ فطرت میں......

وہ بجھے دِل کے ساتھ بچوں کے کھلونے ٹھکانے لگانے لگی، ورنہ حلیمہ اور سلیمہ کے بچے ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھکانے لگا دیتے۔ اس نے سارے اوٹ پٹانگ کھلونے...... پانی والی پستول...... منی بدنام ہوئی گانے پہ کمر مٹکانے والی آوارہ صورت گڑیا...... شیلا کی جوانی بجانے والا پلاسٹک کا موبائل فون...... سٹیل کے ننھے منے برتن اور چولہا...... لنڈے کی ریڑھیوں سے لیے رنگ اُڑے اور دھاگے نکلے سٹفڈ ٹوائز...... سب کو بیڈ کے نیچے لڑھکایا...... لمبے کناروں والی چادر بچھائی جو تین طرف سے لٹک کے سارے مال کو چھپا گئی......

☆☆☆

''اب تو میرے سوہرے بھی باتیں کرنے لگے ہیں امی......''

حلیمہ نے اچار کی پھانک پہ پراٹھے کا نوالہ ملتے ہوئے کہا......

''تیرے سوہرے چپ کب رہتے ہیں؟ اب کس بات پہ لال ٹپک رہی ہے ان کی؟''

ہر مشرقی ماں کی طرح چاچی جی کو بھی بیٹیوں کے سسرال والے بڑے زہر لگتے تھے اور ان کا داماد گھر آتا یعنی سسرال تو اسے پورا پورا وی آئی پی پروٹوکول ملتا...... مگر پیٹھ پیچھے اس بات کا بھی روایتی دُکھڑا رویا جاتا کہ جلد بازی میں داماد کو پرکھ نہ سکے...... سسرال تو ہر لڑکی کا کمینہ ہوتا ہے، اس میں نئی بات کیا ہے...... مگر شوہر کے دِل میں بیوی کا درد ہو تو اور کیا چاہیے...... یہاں تو داماد ہی بیٹی کا نہیں بن رہا...... دِل کلس جاتا ہے، اس کی للو چپو کرتے ہوئے...... مگر کیا ہے جی...... کرنا پڑتا ہے...... داماد جو ہوا......

''میں تو کہتی ہوں ندیم کی اب شادی کر دو......''

حلیمہ نے تو مزے سے اچار کی پھانک چوستے ہوئے مشورہ دے دیا مگر چاچی جی کلس کے رہ گئیں۔

''ہاں...... اتنا آسان ہے ناں اس کی شادی کرنا''۔

''مشکل بھی نہیں ہے...... لڑکیوں کے لیے رشتے مشکل سے ملتے ہیں...... لڑکوں کی تو آج کرنا چاہو...... کل کر لو......''

''ہاں...... لوگ لڑکیاں ہاتھوں میں لیے بیٹھے ہیں جیسے'' چاچی نے خشمگیں نظروں سے پٹو اور چسکوری بیٹی کو گھورتے ہوئے اچار کی شیشی ہی اس کے سامنے سے اُٹھالی...... کم بخت...... چن چن کر آم کی پھانکیں نکالے جا رہی تھی...... پیچھے رہ گئے تھے نرے لسوڑے اور سری مسلی ہری مرچیں......

''تو نہ اتنی چھان پھٹک کرنا...... ہم نے چاند جیسی بھابھی لا کے کیا کرنا ہے...... بھائی کے دماغ ہی خراب کرنے ہیں...... کوئی ضرورت نہیں ہے ماہ نور بلوچ ڈھونڈنے میں وقت ضائع کرنے کی...... سیدھی سادی منہ متھا لگتی لڑکی لے آو''۔

''تمہاری تائی کون سی حور پریاں لائی ہے...... وہ بھی اپنی طرف سے پوری سوری شکل کی بہویں لائی تھی...... منہ متھا لگتی تو ایک طرف...... مسرت کی تو آنکھیں ہی نظر نہیں آتیں سوجے کپے بوتھے پہ...... اور ماتھا اتنا تنگ جیسے رنگ محل کی گلیاں...... اور وہ روبینہ...... اللہ معافی...... بارہ من کی دھوبن...... شادی والے دن لہنگے میں ایسی لگ رہی تھی جیسے کسی نے گاؤ تکیے پہ زری کم خواب کا غلاف چڑھانے کے بعد سیا ہو...... مگر دیکھ لو...... ایسی شکلیں ہونے کے بعد بھی انہوں نے ساس کو بھی نکیل ڈال دی ہے اور مردوں کو بھی''۔

''ہاں روبینہ کی حد تو ٹھیک ہے مگر مسرت بھابھی تو بڑی بھلی مانس ہے''۔

''دفع...... بن مانس کہو...... وہ تو سب سے میسنی ہے، وہی ہے جو ارم کی شادی نہیں ہونے دیتی...... بیٹھی بیٹھی بڈھی ہو رہی ہے...... اُس دن میں نے دیکھا تھا...... کالی مہندی گھول کے بالوں میں لگا رہی تھی''۔

آخری جملہ راز داری سے کہا گیا......

''لیکن لوگوں کی باتوں سے تو بچی ہیں تائی...... اچھے وقت بیٹے بیاہ کے ان کی نظروں میں بھی سرخرو ہوئیں...... دُنیا کی بھی...... مگر ندیم کی بات پہ اب لوگ لے دے کرنے لگے ہیں کہ بیاہی بہنیں اس کا گھر نہیں بسنے دیتیں...... کبھی آپ پہ الزام کہ ماں کا حوصلہ نہیں ہوتا اکلوتے بیٹے کو بہو کے ساتھ بانٹنے کا''۔

''لعنت ہے لوگوں کی سوچ پہ...... ان کی لمبی زبانوں پہ...... وہ جو مرضی بکواس کر لیں......

میں نے ندیم کی شادی تب تک نہیں کرنی جب تک فریحہ رخصت نہ ہو جائے...... اس کے بعد اکلوتے بیٹے کو بانٹنا تو کیا میں سالم کا سالم بہو کو دے دوں گی کہ بی بی تو جان اور تیرا خصم...... میں تو خود ندیم کے نخرے اُٹھا اُٹھا کے نکوں تک (ناک تک عاجز) ہوگئی ہوں...... اتنی تو لمبی زبان ہے اس کی''۔

''اسی لیے ہے ناں...... مجھے تو ڈر ہے وہ ہاتھ سے نہ نکل جائے...... کہیں خود سے نہ شادی کر لے''۔

''اتنی بھی لوٹ نہیں پڑی...... کر کے تو دکھائے......''

چاچی نے جھورے پہلوان کے سے انداز میں ران پہ ہاتھ مار کے للکارا......

''تو پھر فریحہ کی شادی کا سوچو......''

تنگ آ کے حلیمہ نے راگ بدلا......

''اسے بھی تو پڑھائے چلی جا رہی ہو...... پڑھائے چلی جا رہی ہو۔ کون سا اس کی کمائیاں کھانی ہیں...... رشتہ ڈھونڈو اور اگلے گھر کا کرو تا کہ بہو آ سکے''۔

''وہ ایم اے تو کر لے پہلے......''

''چلو...... اب ایم اے کا سیاپا...... ضرورت کیا ہے ایم اے کرانے کی...... بے چارہ ندیم صحیح کلپتا ہے''۔

سلیمہ جو اندر کمرے میں بتیاں بجھائے اپنے لڈو جیسے گُل تھو تھنے کو تھپک تھپک کے سلا رہی تھی اور اسی لیے چاہنے کے باوجود گفتگو میں حصہ نہیں لے پا رہی تھی...... اس کے گہری نیند میں جاتے ہی فوراً کمرے سے باہر نکلی، گفتگو میں اپنا حصہ ڈالنے۔

''بالکل صحیح کہہ رہی ہیں امی......''

''ندیم کی شادی نہ کرے؟''

''نہیں...... فریحہ کو پڑھا کے...... تم نے اور میں نے جلدی شادی کر کے کیا پا لیا جو فریحہ پا لے گی...... جس عمر میں، میں چار چار بچے پال رہی ہوں، اس عمر کی ابھی لڑکیاں بالیاں بنی پھر رہی ہیں...... چھ سالوں میں تین بڑے آپریشن کرا کے مجھ میں رہا کیا ہے...... بلڈ پریشر ہائی...... آنکھوں کے نیچے حلقے...... چھائیاں...... موٹاپا...... تم اپنا حال دیکھو...... تمہارے برابر کی ہے ارم...... کنواری

...اس لیے کڑی بنی پھرتی ہے اور تم عورت...... اوپر سے پیسے کی تنگی الگ...... کوئی کام کی ڈگری ...پاس ہوتی تو ہم بھی سینہ ٹھونک کے میدان میں اُترتیں...... کچھ ہزار کمانے جوگی ہوتیں تو میاں ...رعب جماتا...... سسرال والے بھی کم بکواس کرتے''۔

''عورت کی کمائی میں برکت نہیں ہوتی''۔

''حلیمہ نے منمنا کے کہا۔

''تو تیرا اور میرا میاں تو مرد ہے...... اس کی کمائی میں کتنی برکت ہے...... کبھی فیس نہیں جاتی ...کبھی مکان کا کرایہ...... روز کی چیخ چیخ...... روز کی کل کل...... فریحہ کے پاس ڈگری ہوگی تو نوکری ...بھی ملے گی۔ آج کل کمانے والیوں کے رشتے بھی اچھے آتے ہیں''۔

پھر کسی خیال کے تحت ماں کو مشورے سے نواز گیا......

''میں تو کہتی ہوں امی...... ندیم کی شادی جب بھی کرنا کوئی نوکری کرنے والی بہو لانا''۔

''لو...... تو امی کو بہو لانے کا کیا فائدہ ہوگا...... وہ تو گھر سے باہر رہے گی...... کام کون ...ے گا''۔

''باہر بھی کام کرے گی...... اور صفائی دھلائی تو چند سو روپے لے کر ماسی بھی کر لیتی ...ہے وہ دس پندرہ ہزار کما کے لائے گی اور سب سے اچھی بات...... نوکری کرنے والی عورتوں کے ...سسرال سے اڑا لگانے کا وقت ہی نہیں بچتا۔ بے چاریاں باہر سے اتنی کھپ کر آتی ہیں کہ گھر آنے ...بعد نہ ساس سے منہ ماری...... نہ نندوں سے متھا ماری...... نہ شوہر کو شکایتیں...... مزدوروں کی طرح ...ھول کے سو جاتی ہیں''۔

سیانی بیٹی کی باتیں چاچی کے دل کو لگ رہی تھیں۔

☆☆☆

یہاں حلیمہ بھائی کی شادی کے لیے زور لگا رہی تھی اور اُدھر روبینہ پھوپھی کے گھر بیٹھی بھائی ...ی شادی کچھ دیر اور رُکوانے کے لیے زور لگا رہی تھی۔ اس بار کوئی اور روڑا نہ ملا اٹکانے کو تو بکلی کے ...ے گداز ہوتے وجود کو نشانہ بنا ڈالا۔

''آئے ہائے پھوپھی...... اسے کیا کھلا رہی ہو...... پھول پھول کے ڈنبہ بنتی جا رہی ہے...... ...پھٹنے والے ہو رہے ہیں...... ڈولے نکال لیے ہیں...... اتنی چربی...... اتنی چربی...... دلہن بن کے

کیا لگے گی؟۔ اپنا مذاق ہی بنوائے گی...... میں تو کہتی ہوں اسے کوئی ڈائٹنگ شائٹنگ کراؤ دو چاڑ مہینے......اُبلی سبزیاں کھلاؤ اور سویڑے سویڑے دو چاڑ چمچیاں بھڑ کے چوڑائتہ پلاؤ......یا پنیڑ ڈوڈا کا عڑق...... ساڑی چڑبی گھل جائے گی...... پیٹ بھی انڈر کڑنے کے لیے حکیم بونگے کا چوڑن لے کڑ آؤ...... نہ پائی...... میڑا ویڑ ڈبلا پتلا...... پتنگ ورگا...... جوڑ بڑابڑ کا ہونا چاہیے......ابھی چاڑ کو مہینے صبڑ کڑو''۔

''جی بھر کے ''ڑ'' سے پُر الفاظ کی ریڑھ مارتے ہوئے اس نے چار مہینے اور آگے کر دی شادی...... پھوپھی کی زبان کی نوک پہ یہ طعنہ کئی بار آتے آتے رہ گیا کہ خود روبینہ اپنی شادی کے وقت چھ ماہ کی حاملہ نظر آتی تھی......

☆☆☆

فریحہ بی۔اے کے امتحان دینے کے بعد فارغ تھی اور حقیقتاً مکھیاں مار رہی تھی......

آج پورے گیارہ دن بعد مسرت نے کپڑے دھونے کا ارادہ باندھا تھا۔صحن میں میلے بساند مارے کپڑوں کا ڈھیر لگا رہا تھا اور ان پہ مکھیاں بھی بھنبھنا رہی تھیں......فریحہ اخبار کا رول بنا کے ان کا شکار کرتی وقت گزار رہی تھی۔

''فریحہ......آج شاہ عالمی چلیں؟''

مسرت نے صلاح ماری۔

''اور یہ کپڑے؟''

فریحہ جانتی تھی یہ ڈھیر مغرب سے پہلے ختم نہیں ہونے والا اور ان کے ہاں ابھی تک مغرب کے بعد گھر کی عورتوں کا باہر خصوصاً بازاروں میں نکلنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔

''کل سہی......''

دراصل بازار جانے کی خرمستیاں اسے سوجھ ہی اسی لیے رہی تھیں کہ کسی طرح کپڑے دھونے سے ایک دن اور نجات مل جائے۔

''ہائے نہیں بھابھی......گرمی بڑی ہے''۔

اس پہ کسلمندی چھائی تھی، ورنہ آج تو موسم قدرے گوارا تھا۔

''چل ناں...... کانجی پلواؤں گی''۔

لمال کا لالچ دیا گیا......

''نہ......کانجی سے میرا گلا خراب ہو جاتا ہے''۔

''توبہ......'' مسرت کو طیش آگیا۔ بھری بالٹی زمین پہ پٹخی۔ میلی جھاگ سے بھرا سلیٹی رنگ کا ...ی اس کی شلوار کو گھٹنوں تک بھگو گیا......

''نخرے ہی نہیں ختم ہوتے......کالج بھی تو گرمی میں جاتی تھی تو......''

''آپ روبینہ بھابھی کو ساتھ لے جائیں......ویسے بھی ان کو شاپنگ کا شوق ہے''۔

''مگر مجھے اسے ساتھ لے جانے کا شوق نہیں ہے۔ اس کی نظر پتھر پھاڑ ہے۔ میں دو سو ...پے بھی خرچوں تو منہ میں لے لیتی ہے میری شاپنگاں کرنا...... مجھے تو اس کے ساتھ شاپنگاں کرنا راس ...ی نہیں آتا......''

''اور مجھے آپ کے سامنے بیٹھ کے مکھیاں تک مارنا راس نہیں آرہا......'' وہ بڑبڑا کے اُٹھنے لگی ...ا۔ اندر لگے باوا آدم کے زمانے کے کالے رنگ کے فون کے ٹرٹرانے کی آواز گونجی۔

''سیاپا......فون کی گھنٹی اور مشین کے الارم کی آواز کتنی ملتی ہے......آگے الارم بجا تھا تو میں فون اُٹھانے اندر بھاگی......صابن کی جھاگ سے تلک (پھسل) گئی......''

اندر جاتی فریحہ نے مسرت کے ''تلکنے'' پہ ہمدردی جھاڑنے کی بھی ضرورت نہ محسوس کی......

''ہیلو......''

ایسا منحوس موٹا بھدا ریسور تھا کہ اُٹھا کے کان سے لگاتے ہی بندے کا موڈ خراب ہو جائے......اور اوازارسی ''ہیلو'' نکلے۔

''ہیلو......سلیمہ؟''

بڑی فریش سی آواز دوسری جانب سے آئی تھی وہ بھی مردانہ......فریحہ سمجھ گئی...... یہ فون جرمنی ...ے آیا ہے۔ پاکستان کے مردوں کی بھلا اب ایسی بشاش اور جان دار آواز کہاں نکلتی ہے۔ بجلی کے ...بڑھتے بل...... پٹرول اور ڈیزل کی قیمتیں...... آئے دن کی ہڑتالیں...... بیویوں کی کمیٹیاں......گرمی اور حبس...... یہ سب مل کے ان کو اتنا خون خوار بنا دیتے ہیں کہ وہ ہر بات پھاڑ کھانے کے انداز میں ...رتے ہیں۔

''میں فریحہ ہوں سرفراز انکل......''

اس نے چہک کے کہا..... سرفراز چاچا جی اور تایا جی کا سگا بھائی تھا..... دونوں کے درمیان کا..... یعنی منجھلا والا..... مگر چونکہ جرمنی میں تھا عرصہ دراز سے..... اس لیے نہ کسی کا چاچا تھا نہ تایا..... صرف انکل تھا۔

''کون فریحہ؟'' جرمنی والے انکل نے فریحہ کے جوش وخروش کی ساری جھاگ ہی بٹھا دی۔

''جی میں..... آپ کی بھتیجی'' بڑی شرمساری کے ساتھ تعارف کرایا گیا.....

''اوہ اچھا..... اچھا..... پاء جی کی بیٹی..... کیسی ہو بچے؟ اکمل اور اجمل ٹھیک ہیں؟''۔

''وہ ارم ہے..... میں فریحہ ہوں''۔ وہ اور تیکھی ہوئی۔

''ذرا ابا جی سے بات کراؤ''۔

اس بار سرفراز نے رشتوں کی تفصیل میں جانے کی زحمت نہیں کی۔

''ہولڈ کریں..... فون وہاں تک لے جاتی ہوں''۔

وہ بھی روکھے سے لہجے میں کہہ کر جگہ جگہ پھنسی لمبی سی تار کو نکالتے ہوئے فون دادا جی تک لے جانے لگی۔

☆☆☆

''میں نے کہا جی..... سرفراز کا فون آیا ہے جرمنی سے''۔

تائی جی نے ہانپتے ہوئے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

''فون آیا ہے ناں..... کوئی منی آرڈر تو نہیں آیا''۔

تاؤ جی ویسے ہی جلے بیٹھے تھے..... آج پھر ہڑتال کی وجہ سے ان کی مارکیٹ میں شٹر ڈاؤن تھا..... اوپر سے سرفراز کا ذکر..... لوگوں کے بھی بھائی باہر جاتے ہیں مگر پیچھے سب کو یاد رکھتے ہیں..... لمبی لمبی رقمیں بھیج کے خاندان کی کایا پلٹ دیتے ہیں..... بھتیجوں، بھانجوں یا دامادوں کو ویزے بھیجتے اور بلوا کے سیٹل کراتے ہیں، مگر سرفراز ایسا بے دید نکلا کہ سال میں ایک دو بار فون کر کے بوڑھے ماں باپ کی خیریت دریافت کر لے تو وہ ہی بڑی بات.....

''اس کا فون بغیر وجہ کے نہیں آ سکتا..... ذرا پتا کرو''۔

''وجہ کیا ہونی ہے..... گونگلوؤں سے مٹی جھاڑنے کے لیے سال بعد فون کر لیتا ہے..... اچھا ہے آج ابا جی کو بھی سویرے سے کوڑ چڑھی ہوئی ہے۔ اچھی اس کی دستی کر رہے ہوں گے''۔

تاؤ جی کا اندازہ درست تھا۔ اپنے پھیپھڑوں کی بوسیدگی کی پرواہ کیے بغیر..... اپنے بلغمی حلق کی خستہ حالی کو بھلائے وہ زور وشور سے بیٹے پہ برس رہے تھے۔

''ناہنجار..... بے ہدایتا..... عید بھی لنگ گئی..... تو نے پیو کو سلام کرنے فون نہ کیا۔

''اور نہ ماں کا حال پوچھا.....''

دادی جو ساتھ جڑ کے بیٹھی تھی..... فوراً لقمہ دینے لگی۔

''اب کیا پتا کرنے کے لیے فون کیا ہے کہ پیو جیوندا ہے یا مرگیا؟''

''یا بے بے کے قُل کب ہیں؟ یہ خبر لینی ہے؟''

دادی کا اگلا لقمہ.....

''چل چل..... وڈا آیا پتر..... ایسے ہوتے ہیں پتر.....؟ پردیس جا کے پچھلے ہی بھول گیا..... بے فیض..... لوگوں کے پتر باہر جاتے ہیں تو ماں پیو کو عیش کراتے ہیں..... ان کو رقمیں بھیجتے ہیں..... ہوائی جہازوں کے ٹکٹ بھیجتے ہیں..... ولایت کی سیر کراتے ہیں..... کوئی عمرہ کرا کے ثواب کماتے ہیں..... تو نے کیا کیا ہے؟''

''نری ایک میم ویاہنے کے علاوہ.....''

دادی کے لقمے جاری تھے.....

''ہم جئیں..... مریں..... تجھے فکر نہیں ہوتی..... تیرے بھائیوں کے کاروبار مندے ہوں..... ٹھنڈے ہوں..... تجھے پوچھنے کی توفیق نہیں ہوتی..... ان کے بیٹے بیاہے گئے..... تو نے کبھی سلامی نہ بھیجی..... ان کی کڑیاں رخصت ہوئیں..... تو نے دواج جہیز کے نام پہ دھیلے کا تحفہ نہ بھیجا.....''

''مجھے تولہ سونا تک نہ ڈالا.....''

اس بار دادا جی سے دادی جی کے لقمے ہضم نہ ہوئے، وہ اُلٹا ان پر برس پڑے۔

''توں تے چپ کر..... ٹچکریاں دیئے جارہی ہے''۔

دادی منہ سر لپیٹ کے ناراضگی جتاتی پرے ہٹ گئی.....

''ہاں ہاں..... مجھے جوانی میں کبھی منہ نہ لگایا تو نے..... ہمیشہ جوتی تھلے رکھا..... اب کیوں نہ بستی کرے گا''۔

مگر دادی کے شر انگیز اور اشتعال انگیز بیان کا جواب دینے کا وقت ہی اب کہاں تھا دادا جی

کے پاس...... وہ منہ کھولے ریسیور سنبھالے حیرت سے سرفراز کی بات سن رہے تھے۔

''ابا جی...... میں آپ کے سارے گلے دُور کرنے آرہا ہوں...... پاکستان آرہا ہوں...... نہ صرف میں...... بلکہ بیوی بچے بھی''۔

''ہیں؟...... پاکستان آرہا ہے تو؟...... بیوی بچوں سمیت؟''۔

دادی جی فوراً تڑپ کے اُٹھ بیٹھیں۔

''سرفراز آرہا ہے؟''

دادی کے ایک بار پھر دخل دینے پہ دادا جی نے گھور کے جھڑکا۔

''اس سے بات کررہا ہوں تو ظاہر ہے، وہی آرہا ہے''۔

''خیر سے آرہا ہے''۔

''خیر نال آرہیا ایں توں؟''

دادی کا سوال دادا جی نے سرفراز پہ اُلٹ دیا

''ہاں جی...... نوین کے رشتے کے سلسلے میں آنا تھا''۔

نوین ان کی بیٹی کا نام تھا...... فریحہ کی ہم عمر۔

دادا جی نے معنی خیز ہنکارا بھرا...... سفید بالوں سے اٹی پڑی گھنی بھنویں اچکائیں...... اور فون بند ہونے کے اگلے ہی منٹ یہ خبر پورے گھر میں نشر ہو چکی تھی۔

☆☆☆

''رہنا کہاں ہے سرفراز نے ٹبر سمیت؟''

تائی جی کو سب سے پہلے یہ فکر لاحق ہوئی۔

''ظاہر ہے اپنے گھر...... یہاں......''

تایا جی کو یہ سوال خاص پسند نہیں آیا تھا۔

''میم بھی آئے گی ساتھ؟''

''یہ تو پتا نہیں...... اسی میم کا تو سارا سیاپا ہے۔ اسی نے تو خون کے رشتے الگ کیے تھے...... عورت چاہے پاکستان کے کسی گلی محلے کی ہو یا لندن، امریکہ کی...... سوہرے کسی کو بھی برداشت نہیں ہوتے''۔

''صحیح کہندے او...... صرف بوتھا ہی پھیکا شلجم نہیں تھا اس میم کا...... اندر سے بھی پھیکی سی...... میرے اکمل اور اجمل کتنے گبرو، سوہنے، باؤ سے ہوئے تھے تب...... خود دیکھتا تھا، چٹ چٹ ومتا تھا۔ ان کی شرارتوں پہ واری صدقے ہوتا تھا۔ بس ایک یہ روکھی سڑی عورت تھی جو ان پہ چیختی تی، ان کی شکایتیں کرتی رہتی تھی۔ ایسی عورتوں کی تو اولاد ہی نہیں ہوتی اللہ سزا کے طور پہ ان کی گود خالی رکھتا ہے...... پتا نہیں اس کے بچے کیسے ہوگئے؟''۔

''کی پتا...... کسی کے لے کر پالے ہوں''۔

''نہ جی...... نوین تو ساری دادی پہ ہے...... وہی چوڑی ناسیں، آگے کو نکلے دند...... اور دونوں منڈوں کے پکے رنگ چاچے پہ گئے ہیں۔ ہے تو وہ آپ لوگوں کی ہی نسل''۔

اس کے بعد تائی جی نے باقاعدہ دوپٹہ اُٹھا کے شکر ادا کیا اللہ کے حضور......

''شکر ہے میرے مولا کا...... میرے تینوں بچوں میں سے کوئی دادکوں پہ نہیں گیا''۔

☆☆☆

چاچا جی کے کمرے کا الگ ہی ماحول تھا......

''سرفراز کی عادت نہیں بھولنے کی...... پھر واپس آئے یہ مانا کیسے؟''

چاچا جی کو رہ رہ کے اپنا اور سرفراز کا وہ جھگڑا یاد آرہا تھا جس کے بعد سرفراز نو بیاہتا انگریز بیوی کو لے کر واپس چلا گیا تھا۔

''تُسی وی ویسے چنگی نئیں کیتی سی''

(''آپ نے بھی ویسے ٹھیک نہیں کیا تھا)۔

پرانی باتیں یاد کر کے چاچی جی کو ہنسی سی آگئی۔ دوپٹے کا گولہ منہ کے آگے دبا کے میسنے سے ڈ میں جتایا تو ہلکی سی مسکراہٹ چاچا جی کے ہونوں پہ بھی آگئی۔

''بس...... کم عقلی......''

مگر ساتھ ہی سرفراز کا سخت ترین ری ایکشن یاد آیا تو خجالت غصے میں بدل گئی۔

''لیکن سرفراز نے تو ذرا سے ہنسی مذاق پہ طوفان کھڑا کر دیا...... ایسا اس میم کو لے کے بھاگا ا آج تک نہیں لوٹا''۔

''اب لوٹ تو رہا ہے...... وہ بھی بیٹی کے رشتے کے لیے''۔ کمرے کے باہر کھڑا اپنی شرٹ

استری کرتا ندیم چونکا......

''بیٹی......رشتہ''

اس کے کان کھڑے ہوئے......

دور کانوں میں کہیں شہنائیاں بھی گونجنے لگیں......

☆☆☆

''مسرت بھابھی...... یہ سرفراز تاؤ آ کیوں رہے ہیں؟''

روبینہ کے سوال پہ مسرت کی پیشانی ان گنت شکنوں سے بھر گئی......

''ایک بات کہوں روبینہ...... مانے گی؟''

اس نے منت کی......

''ہاں...... بولو''

کہنے کو تو روبینہ نے پولا سا منہ بنا کے کہہ دیا، مگر اندر ہی اندر دل چھوٹا سا ہو گیا سکڑ کے......

(ہائے ہائے...... موئی کہیں میرا لان کا جوڑا ہی نہ مانگ لے نیا والا......)

(نہیں نہیں...... ضرور سو دو سو ادھار مانگے گی نکڑ والے پارلر میں جا کے بال رنگوانے کے لیے)

(ہائے اللہ...... کہیں رات کا کھانا بنانے کا کام میرے سر نہ ڈال دے)

لیکن اس کے اندازوں کے برعکس مسرت نے بڑی عاجزی سے بس یہ عرض کیا......

''روبینہ تو سرفراز تاؤ کا پورا نام لینے کی بجائے صرف چھوٹے تاؤ کہہ دیا کر......''

''کیوں، پورا نام لینے پہ کرایہ آتا ہے؟''

''کرایہ نہیں آتا...... مگر ''ر'' بڑی دفعہ آتا ہے اور سنا ہے سرفراز تاؤ ذرا غصے کے کوڑے ہیں، ایسا نہ ہو اپنے نام کی رگڑ رگڑ سن کے غصہ کر جائیں''۔

''ویسے میں نے بھی سنا ہے، سالوں پہلے ابا جی کی کسی بات پہ ناراض ہو کے گھر سے گئے تھے...... تجھے کچھ سن گن ہے کہ کس بات پہ لڑائی ہوئی تھی؟''

''بس اتنا پتا ہے کہ مذاق مذاق میں کوئی بات چاچا جی نے ان کی میم بیوی کو لگا دی تھی...... بس انہوں نے منہ ماری کی چھوٹے بھائی سے...... دادا جی اور دادی جی نے چھوٹے بیٹے کی حمایت کی

تو ماں باپ سے بھی ناراض ہو گئے...... وہ دن اور آج کا دن پلٹ کے نہیں دیکھا۔

''اب تو دیکھ رہے ہیں......''

''سنا ہے اپنی لڑکی کا رشتہ کرانے آ رہے ہیں؟''

''کیوں؟ اُدھر امریکہ میں رشتہ نہیں مل رہا تھا؟''

''نہیں مل رہا ہوگا ناں...... تبھی تو آ رہے ہیں''۔

''ہائے ہائے...... پہلاں ہی ڈبی جتنا گھر ہے...... اس پہ مہمان...... وہ بھی نجانے کتنے......''

''سنا ہے چار بچے ہیں ان کے...... میم بیوی نہ بھی آئی تو پانچ لوگ تو ہوں گے ہی''۔

''ہا...... پانچ...... ان کو کیا سر پر بٹھائیں گے''۔

''یہ سلیمہ حلیمہ بھی تو مہینہ مہینہ آ کے رہتی ہیں اپنے درجن بچوں کے ساتھ...... ہو ہی جاتا ہے گزارا...... میکہ اچھا ہے...... مہمانوں کے آنے کی وجہ سے ضرور امی جی نے بیٹیوں کو کہا ہے کہ بھئی سامان باندھو اور اپنے گھر چلو...... اگر مہمانوں کے آنے سے یہ بلائیں ٹلتی ہیں تو سو دفعہ آئیں ایسے مہمان''۔

''ہاں...... تمہاری امی جی نے کہا اور سلیمہ حلیمہ نے باندھ لیا سامان...... ہونہہ......''

روبینہ نے حقیقت سامنے لا کے اس کا دل جلایا۔

''مجھے تو لگتا ہے اس گھر میں طوفان آنے والا ہے...... حلیمہ سلیمہ بھی بچوں سمیت اِدھر...... اور امریکہ والے سرفراز تاؤ کے بھی ڈیرے اِدھر...... ہم گھر والوں کو ہی بوریا بستر باندھ کے کہیں اور دفع ہونا پڑے گا۔

☆☆☆

''ہا...... ہائے امی جی...... تُسی تے اکھاں ای متھے تے رکھ لیاں نیں''

(ہائے امی جی...... آپ نے تو آنکھیں ہی ماتھے پہ رکھ لی ہیں) حلیمہ نے منہ بسور کے ماں سے کہا۔

''سمجھا کر...... وہ بھی ٹبر لے کر آ رہا ہے۔ اتنے لوگ کدھر رہیں گے، ذرا سے گھر میں''۔

''جگہ تو دل میں ہوتی ہے''۔

سلیمہ نے ڈائیلاگ جھاڑا مگر تائی جی کو تپ چڑھ گئی......

"تو پھر دِل میں منجی ڈھا کے پڑ جا...... کمرہ ان کے لیے خالی کر دے"۔

"ماں جی...... امریکہ کے مہمان آ رہے ہیں، اس لیے سارے بے دید ہو رہے ہیں...... سگی بیٹی کو سامان باندھ کے میکے سے نکلنے کے آرڈر دیئے جا رہے ہیں......"

"ناں...... ہمارا کچھ نہیں لگتا وہ...\ ہمارا بھی تو تاؤ ہے...... ہم نے نہیں ملنا کیا اُس سے؟"

سلیمہ ابھی ابھی جا کے بچوں کی نئی نیکریں بشرٹیں لے کے آئی تھی...... امریکہ والے چھوٹے نانا جی کے سامنے پہنانے کے لیے، اس لیے واپسی کے حکم پہ سب سے زیادہ آگ اسے لگی تھی۔

"تو مل لینا...... وہ کون سا گھڑی دو گھڑی کے لیے آ رہا ہے...... بعد میں آ کے مل لینا...... ابھی آتے ہی چالیس بندے اکٹھے دیکھے گا گھر میں تو گھبرا پڑ جائے گا اسے۔ تجھے تو پتا ہے تیرا چھوٹا تایا چھوٹے دِل کا ہے"۔

"سیدھی بات ہے امی جی...... آپ لوگ نہیں چاہتے امریکہ سے آئے تحفوں کی ہوا بھی ہمیں لگے"۔

"تو کڑیئے...... سیدھی بات یہ بھی ہے کہ تو جو یہاں سے ہلنا نہیں چاہتی تو انہی تحفوں کی ہوا لینے کے لیے"......

چاچی جی بھی سلیمہ کی ماں تھیں......

پلٹ کے کرارا جواب دے کر منہ بند کرا لیا......

مگر یہ منہ بس ایک سیکنڈ کے لیے بند ہوا تھا۔ اس کے بعد جو کھلا تو دونوں بہنوں نے میکے کبھی نہ آنے...... مرنا جینا ختم کرنے اور ماں باپ کا خون سفید ہو جانے سے لے کر امریکیوں کی غلامی تک کے طعنے دے ڈالے...... ساتھ ساتھ سامان پیک ہو رہا تھا...... الگنی پہ لٹکے پیلے پڑتے لنگوٹ......

کچن کی سلیب پہ مکھیاں بھنکاتے فیڈر...... جس میں رات کا بچا دودھ اب پیلے رنگ کے دہی میں بدل چکا تھا۔

شاہ عالمی سے خریدے الم غلم کے باہر کو اُبلتے شاپر......

پرانے کپڑے جو سسرال سے بھر کے لائے گئے تھے، ان کے بدلے کل شام گلی میں آئے تانے مہرو سے لیے گھٹیا پلاسٹک کے ڈول...... ڈھیلے اور ٹوکریاں......

چاچی جی سکون سے بیٹھی پھلیاں بناتی رہیں...... اور ماؤں کی طرح انہیں بیاہی بیٹیوں ...پڑ جانے کا خاص شوق نہ تھا۔ ہفتے کے ہفتے آتی تھیں...... سو بسم اللہ...... جو پکا ہوتا سامنے ...ما جاتا...... جوائی نے آنا ہوتا تو پلاؤ...... آلو گوشت وغیرہ کا اہتمام بھی ہو جاتا...... گرمیوں کی ...ٹیوں میں دس پندرہ دن گزارنے آتیں، تب البتہ ضرور ناک تک عاجز آ جاتیں۔ پہلے دو دن ...ٹھیک گزرتے...... تیسرے چوتھے دن سے ماں بیٹیوں میں ٹھننے لگتی...... مگر شاباش ہے حلیمہ ...پہ...... بڑا جگرا تھا بھی...... ثابت قدمی سے جمی رہتیں...... ماں کے ماتھے کی سلوٹیں گنتی میں ...اتے ہوئے۔

دونوں بہنوں میں ایکا بھی بڑا تھا۔

اب بھی دونوں مشترکہ دُکھ سمیٹے...... مشترکہ شاپنگ اکٹھی کرتے گھر سے نکلیں...... مشترکہ طور پر ہی کرایہ ملا کے چنگ چی رکشہ کرایا......

☆☆☆

سارا گھر سرفراز کے آنے کی خبر پہ مختلف تبصرے کرنے اور طرح طرح کا ری ایکشن دینے کے بعد اب دل جمعی سے ان کے استقبال کی تیاریوں میں لگ گیا...... جو بھی تھا...... آخر خون کے رشتے تھے...... کچی اینٹوں پہ کائی جم تو جاتی ہے...... اُترتی بھی اتنی آسانی ہی سے تھی......

دادی جی نے کب کا سنبھال کے رکھا چکن کا آف وائٹ سوٹ نکالا...... بھولی درزن کو سلنے دیا...... عرصے بعد رانگلی مہندی سر پہ تھوپی...... پہلے بھی بالوں پہ تھوپا کرتی تھی...... اب تو سر پہ ہی تھوپنی پڑتی تھی...... چندیا کے ساتھ ساتھ گنتی کے چند بال بھی رنگے جاتے۔

دادا جی نے تاؤ جی سے اپنے پیروں کے ناخن ترشوائے کہ باہر سے آنیوالے پوتے پوتیاں انہیں کوا ہی نہ سمجھ لیں...... ایک تو رنگ پکا...... اوپر سے آنکھیں چھوٹی...... تیسرا کوے کے پنجوں جیسے سوکھے لمبے ناخنوں والے پیر...... چار خانے والا نیا تہہ بند کلف لگا کے استری کرایا گیا...... "کھیڑی" کو موچی کے پاس لے جا کے ٹانکے لگا کے پہننے کے قابل بنایا...... داتا صاحب کے باہر بیٹھے شعبدہ گروں سے عطر بھی خریدا کہ اس کے پھریرے لگا کے پسینے کی بدبو کے بھبکے کم کیے جا سکیں...... حالانکہ اس عطر کی اپنی ہواڑ اتنی تھی کہ پاس سے گزرنے والا بوکھلا کے ناک میں انگلیاں دے لے۔

تاؤجی اشرف نے دل پر پتھر رکھ کر گھر کے باہر کی دیواروں پہ قلعی کرنے کا ارادہ باندھا...... اندرونی دیواروں پہ کرانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی...... اور اس آدھے پونے اہتمام کے لیے بھی بیٹیوں کے ساتھ ساتھ چھوٹے بھائی سہیل سے بھی مالی مدد مانگی گئی۔

فریحہ نے پارلر جا کے نئے سٹائل کے بال کٹوائے جو اگرچہ اس کے تکونے چہرے پہ بے حد بھدے لگ رہے تھے مگر وہ اپنے تئیں صنم بلوچ بن کے آنکھیں بالوں کی جھالر میں چھپائے بڑی مطمئن تھی۔

ارم نے نورتن ابٹن کی بڑی ڈبیا منگوائی، ساتھ میں عرقِ گلاب...... اور لگی صبح و شام رگڑائی کرنے چہرے کی...... مگر بُرا ہو محلے کے منیاری والے کا...... اُبٹن تو اس نے پھر بھی ٹھیک دے دیا مگر عرقِ گلاب کی شیشی نجانے کس عرصے سے اس کی دکان کی سیلن زدہ شیلف میں پڑی سڑ رہی تھی...... بھادوں کے سینک نے عرقِ گلاب کو تیزاب میں بدل کے رکھ دیا تھا...... بے چاری کے چہرے پہ گندے غلط سے دھبے پڑ گئے...... جن پہ کھجا کھجا کے اس نے انہیں آبلوں کی شکل دے لی۔

اکمل اور اجمل البتہ اپنے میں مگن تھے......

اجمل کو تو پھر بھی یہ فکر لاحق تھی کہ نجانے آنے والے پورے مسلمان بھی ہیں یا نہیں...... اپنی میم چاچی کے نہ آنے پہ تو پھر بھی کچھ اطمینان تھا...... مگر یہ شک بہر حال اپنی جگہ موجود تھا کہ چاچا سرفراز کی اولاد کلمہ گو ہے یا ماں کی طرح چرچ جانے کی شوقین...... اس نے موت کا منظر نامہ کے سب سے بھیانک باب دوبارہ سے ذہن نشین کیے...... جہاں جہاں بھول کے اٹکتا تھا وہاں سے دل لگا کے رٹے مارے۔

اکمل کو روبینہ نے ہی کچھ سوچنے سمجھنے یا کرنے کی فرصت نہیں دی...... وہ خوب اس کی جیبوں سے مال نوچ کھسوٹ کے نئے نئے جوڑے بنوا رہی تھی...... جیسے امریکہ والے اس کی خوش لباسی کی داد دینے ہی تو اتنا پیسہ خرچ کر کے آرہے ہیں۔ جامنی رنگ کا انارکلی فراک...... نارنجی کڑھائی اور نارنجی چوڑی دار پاجامے کے ساتھ...... ساتھ میں سبز دوپٹا...... پوری تنجن کی دیگ بننے کا ارادہ تھا...... سرخ جارجٹ کے جوڑے پہ کالے موتی۔ اس نے خود ایسے بھدے اور بے تکے انداز میں ٹانکے تھے کہ دور سے دیکھنے پہ یہی گمان ہوتا تھا کہ ڈھیر ساری مکھیاں جا بجا بیٹھی بھن بھن کر رہی ہیں...... اور سب سے عمدہ تو وہ کالا کریپ کا ڈھیر ساری کلیوں والا کرتا تھا...... جس کا پرنٹ بڑا ہی

عجیب و غریب تھا...... موٹے تازے سبز سیب اور سرخ انار بھی بنے تھے...... انگور کے گچھے بھی...... رنگ برنگی تتلیاں بھی چھپی تھیں...... پشت پہ گدی کے نیچے بڑی نشیلی سی سبز رنگ کی آنکھ بھی تھی جو جاسوسی ڈائجسٹ یا سسپنس کے سرورق پہ عموماً چھاپی جاتی ہے...... دامن پہ موٹے موٹے لہو رنگ ہونٹ...... پیٹ کے پاس تیر کھا دِل...... آستیوں میں واحد کام کی چیز تھی...... پھولوں کی بیل...... نجانے یہ نادر اور عجوبہ پرنٹ اس نے باڑے کے کس پٹھان سے حاصل کیا تھا۔ دنیا کی ایسی کوئی چیز اس پہ چھپنے سے نہ رہ گئی تھی جو چارسدّہ سے بنوں جانے والے ٹرک کے اوپر نہ بنی ہو......

دل تو مسرت کا بھی تھا، ایک آدھا جوڑا نیا بنوانے کا...... کم از کم ایئر پورٹ جانے کے لیے ہی سہی...... مگر اجمل نے سختی سے منع کر دیا...... نیا جوڑا بنوانے سے نہیں...... ایئر پورٹ جانے سے...... وہ جھلس کے رہ گئی۔

''ائیر پورٹ جانا کون سا غیر اسلامی کام ہے''۔

''میں ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی ہے''۔

''اچھا جی؟...... وہ کیسے؟''

''جہاز کس نے بنایا؟''

''میری جانے بلا''۔

مسرت نے جلے بھنے انداز میں کہا تو اجمل کو جلال آگیا...... فوراً گھر کی دی۔

''ٹیڑھا جواب دیتی ہے مجازی خدا کو''۔

وہ فوراً دبک گئی...... منمنا کے کہا......

''مجھے واقعی نہیں پتا جی''۔

''کسی انگریز نے بنایا تھا...... کسی گورے نے...... کسی کافر مشرک نے...... ان سے شادی بیاہ، کاروبار حرام ہے، اسی طرح ان کے بنائے جہازوں میں سفر کرنا بھی حرام ہے''۔

''تو لوگ حج عمرہ کرنے بھی تو ان جہازوں پہ جاتے ہیں۔ مسرت کے نکالے نکتے پہ پہلے تو وہ چیں بہ چیں ہوا...... پھر لولا لنگڑا سا جواز پیش کیا۔''

حج عمرے کی بات اور ہے...... حج عمرے کی نیت کرتے ہی سب ناپاک چیزیں پاک ہو جاتی ہیں۔

اس کے بعد چونکہ بیوی نے عورت ذات ہونے کے باوجود دلیل دینے کی...... سوال اُٹھانے کی...... اور سب سے بڑھ کے لاجواب کرنے کی گستاخی کی تھی، اس لیے اس کی پاداش میں اسے جہنمی ہونے کا فتویٰ سنا دیا۔

''زبان چلاتی ہے آگے سے...... حجت کرتی ہے، نافرمان...... جہنمی عورت...... تیری عاقبت مجھے سنورتی نظر نہیں آرہی مسرت''۔

''عاقبت تو بعد کی بات ہے، مجھے تو یہ اپنا حال بھی سنورا ہوا نہیں لگتا''۔

مسرت نے منہ ہی منہ میں بڑبڑا کے کہا......

☆☆☆

میں کہیا جی...... سارے ایئر پورٹ جائیں گے کیسے؟''

''سوزوکی کرواؤں گا''۔

''کرائے کی؟''

''ناں تو اور تیرا ماما مجھے مفت میں دینے کے لیے تیار بیٹھا ہے''۔

تاؤ جی غصے میں بیوی پر اُلٹ پڑے۔

''عمر ہوگئی...... اب تو میرے ماں پیو...... ماے چاچے سارے مٹی ہوگئے۔ اب تو ان کو کوسنا بند کرو''۔

وہ بھی تاؤ کھا گئیں۔

''ایک گل ہی پوچھی ہے ناں......''

''سوزوکی پک اپ کرائے پہ لوں گا...... میں، سہیل، اکمل، اجمل اور ندیم چلے جائیں گے''۔

''خالی مرد؟''

''نہیں...... بھرے ہوئے مرد''

''توبہ اے جی...... تسی تے توپ دے منہ تے بیٹھے او......''

(توبہ ہے جی...... آپ تو توپ کے دھانے پہ بیٹھے ہو)

''تو بھی تو سوال پہ سوال مارتی جارہی ہے بھلیئے لوکئے...... اور ایئر پورٹ پہ زنانیوں کا کیا کام''۔

''کیوں؟ ایئر پورٹ زنانیوں سے پردہ کرتا ہے اور کرایہ دے کر اتنی وڈی سوزوکی کرائے پہ لینی ہی ہے تو کیا خالی لے کر جاؤ گے...... اس میں ہمارا سارا ٹبر پورا آجائے گا''۔

''ہمارا نو آجائے گا...... سرفراز کا ٹبر کیا پیچھے پیچھے دوڑ لگاتا آئے گا...... ان کے بھی چار پانچ جی ہیں...... اور پھر سامان بھی ہوگا...... وہ کہاں رکھنا ہے؟''

''ہاں...... سامان''۔

تائی جی کی آنکھیں چمکیں۔

''جو ان کے استعمال کا سامان ہوگا...... وہ بھی...... اور جو وہ ہم ساروں کے لیے تحفے لائے گا بکسے بھر کے، وہ بھی''۔

تحفوں کے نام پہ تایا جی کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

''اکمل اور اجمل دونوں کی شادیوں پہ میں نے دو گھوڑا بوسکی کے سوٹ پہنے تھے...... بڑا دل ہے اس بار ارم کی شادی پہ پینٹ کوٹ والا سوٹ پہنوں...... ٹائی لگا کر۔ وہ بھی ولائیتی...... امریکہ سے آیا ہوا''۔

''اور سرفراز سے کہنا میرے لیے تو گوڈوں کی مالش کرنے والی مشین لے آئے''۔

''گوڈوں والی مشین؟''

''آہو...... میں نے آپ دیکھی تھی ٹی وی پہ...... گھر گھر کر کے چلتی ہے گوڈوں پہ رکھو...... چاہے گٹے پہ رکھو...... مالش کر کے سارا درد ختم کر دیتی ہے''۔

''پھر تو کہے گی...... لک (کمر)، پہ کھرک (خارش) کرنے والی مشین آگئی ہے، وہ بھی لے آؤ...... ہاتھ پیر نہ ہلانا تم زنانیاں......

☆☆☆

اور ان سب کی سرگرمیوں سے بالکل الگ دو لوگ تھے جو ان مہمانوں کی آمد پہ ایک الگ ہی دُنیا بسا بیٹھے تھے۔

ایک ارم......

اور ایک ندیم......

ارم کو آس تھی شاید سرفراز چچا کے بڑے والے بیٹے کی نظروں میں اندھراتا اُتر آئے اور وہ

اسے پسند کر لے۔

ندیم کو آس نہیں، پکا یقین تھا کہ سرفراز چچا کی بیٹی کے لیے جس گوہر مقصود کی تلاش میں وہ لوگ پاکستان کی خاک چھاننے آ رہے ہیں...... وہ وہی تھا...... ندیم سہیل۔

اُس نے مچھلی کے انڈوں کا بنا تیل بڑے مہنگے داموں خرید کے اپنے آگے سے چٹیل ہوتے ماتھے پہ لگانا شروع کر دیا تھا...... گٹکے سے پیلے پڑتے دانتوں کی داتا صاحب کے باہر بیٹھے دندان ساز سے صفائی کرا کے انہیں چکا چوند کرا لیا تھا۔ لنڈے سے جا کے تین چار شوخ رنگوں کی شرٹیں بھی خریدی تھیں...... ایک پہ لکھا تھا...... I love newyork...... دوسری پہ پوپائے دی سیلر منہ ٹیڑھا کر کے پائپ پی رہا تھا...... تیسری پہ میڈونا کا بڑا تباہ کن پوز تھا......

ارم کی تیاریاں البتہ ذرا الگ قسم کی تھیں۔ اس نے وظیفے اور چلے شروع کر دیئے تھے۔ کسی رسالے میں پڑھا ہوا گھڑے اور چابی والا ٹوٹکا بھی کرنا شروع کر دیا...... وہ جو جمعے کی جمعے دادی کی لعنتیں لینے کے بعد مارے باندھے نماز پڑھتی تھی۔ اب مصلے سے ہی نہیں اُٹھتی تھی...... لمبی لمبی دعاؤں کے ذریعے اللہ کو راضی کرنے کی کوششیں......

''اللہ میاں جی...... کچھ ایسی کشش پیدا کر دو میری شکل میں، چاچا جی کو سارا امریکہ ایک طرف اور میں دوسری طرف نظر آؤں...... ہائے ہائے...... نہیں...... یہ تو ذرا اُلٹی قسم کی دعا ہوگئی...... نہیں نہیں اللہ میاں جی چاچا جی کو نہیں...... ان کے بڑے والے سپوت کو کھینچے میری کشش...... نہیں مگر ہم میں سے تو کسی کو یہ بھی نہیں پتا کہ ان کا بڑا بیٹا کنوارہ ہے یا شادی شدہ......''

اب دعا میں ردو بدل کیا گیا......

''اللہ میاں جی...... چاچا جی کے کنوارے والے بیٹے کے دِل میں میری محبت ڈال دے...... (اوئے ہوئے...... بہنوں والی محبت ہی نہ پیدا ہو جائے) نہیں نہیں اللہ میاں جی...... اس کے دِل میں میرے لیے عشق...... بلکہ رومانس بھر دے...... ہاں، یہ صحیح ہے......''

☆☆☆

اللہ اللہ کر کے وہ دِن آ گیا جب رات کے آٹھ بجے ان کی فلائیٹ آنی تھی...... صبح سے ایک بابا کار مچی تھی گھر میں...... کچن میں مختلف پکوان پک رہے تھے...... دادی کی چیخ و پکار الگ......

''سرفراز کو مسی روٹی پسند تھی...... وہ ضرور بنانا......''

''اوہو دادی...... وہ امریکہ سے اتنا لمبا سفر کر کے آ رہے ہیں...... آدھی رات کو انہیں مسی روٹی کھلا دی تو مروڑ اُٹھیں گے انہیں''۔

فریحہ نے پتے کی بات کی۔

''پھٹے دودھ کی رس ملائی بھی اچھی لگتی تھی اسے''۔

''چلو...... اب اچھا بھلا دودھ پھاڑو''۔

چاچی جی نے بڑبڑا کے برتن پٹخا......

''اور مونگرے پہ تو جان دیتا تھا''

دادی کی یادداشت مختلف بیان نشر کر رہی تھی......

''مگر دادی اب مونگرے پکنے کی بدبو ان کی جان نکالے گی''۔

''دفع دور...... لکھ دی لعنت...... بوتھی پیڑی تے گلاں وی پیڑیاں...... لعنت جوگی۔

''میں تو ساتھ نہیں جا سکوں گا ابا جی''۔

''کیوں؟ تجھے کیا تکلیف ہے؟''

''میں جماعت کے ساتھ جا رہا ہوں''۔

اب تبلیغ کے دورے سے روک کر خود کو جہنمی بھی نہیں کہلا سکتے تھے، اس لیے منہ ہی منہ میں بڑبڑا کے رہ گئے...... مگر سچ تو یہ تھا کہ جب بھی گھر میں اس کی ضرورت ہوتی...... کوئی ضروری کام ہوتا، اسے تبلیغ کے لیے اچانک ہی کوئی ہنگامی دورہ کرنا پڑ جاتا۔

''اور میں نے بھی نہیں جانا''۔

اکمل نے آلو گوشت کے شوربے میں سنی انگلیاں چوستے ہوئے کہا......

''کیوں؟ تو نے کون سی تبلیغ دینی ہے اور کسے دینی ہے؟''

''مجھے آج یاروں دوستوں کے ساتھ باہر کھانا کھانے جانا ہے...... لکشمی چوک''۔

''تو ادھر بیٹھا کیوں ڈپھ (ٹھونس) رہا ہے؟''

چاچا جی کو جلال آیا...... ان کے نہ نہ کرتے بھی کم بخت پُٹھ کی دو تین اچھی بوٹیاں چن کے ڈال لے گیا تھا......

''وہ تو فلم کے بعد کھانا ہے...... تین گھنٹے تک بھوکا بیٹھا رہوں کیا؟''

''اِدھر خرچے پورے نہیں ہوتے...... تجھے فلمیں دیکھنے، یاروں کے ساتھ گھومنے اور کھابے کھانے سے فرصت نہیں ہے''۔

''میرے پاس کہاں سے آنے ہیں پیسے...... یار خود لے کر جا رہے ہیں مجھے......اور خود کھلا رہے ہیں کھابے''۔

اب وہ ھڈی پلیٹ میں مار مار کے اس میں سے میخ نکال رہا تھا اور سلاد کے لیے کھیرے کاٹتی روبینہ نے مارے پریشانی کے اپنی انگلی کاٹ لی، کیونکہ آج اس نے اپنے جہیز کا چینی کا ڈنر سیٹ نکالا تھا اور گنوار اکمل کے ہاتھ جو پلیٹ لگی اسی میں وہ ٹھکا ٹھک ہڈیاں پٹخ رہا تھا...... پینڈو کہیں کا...... یہ ہے ہی سلور سٹیل کی پلیٹوں میں کھانے کے لائق......

''آہو...... بڑے ساہوکار ہیں ناں تیرے دوست......کوئی پنکچر لگانے والا......کوئی ٹکٹیں بلیک کرنے والا......کوئی چنگ چی رکشوں میں گیس بھرنے والا......ان کی اتنی اوقات کہاں کہ وہ تجھے کھابے کھلائیں...... فلمیں دکھائیں...... وہ بھی تیرا ہی یار ہے ناں...... وہ تیلی جیسی مونچھوں والا...... زلفی...... وہ جس کی ماں دو مہینے پہلی مری تھی تو قبر پکی کرانے کے لیے بھی مسجد میں جمعہ کے بعد چندہ جمع کر رہا تھا''۔

تاؤ جی نے بخیئے اُدھیڑے تو اجمل بھی پیچھے نہ رہا، یادداشت کھنگالنے میں......

''اور ابا جی...... وہ جیدا...... جس کا باپ ہسپتال میں تھا تو ایدھی والوں کو فون کر کے خود کھسک گیا تھا وہاں سے......شوہدا''۔

''اوڑ تو اوڑ ابا جی...... یہ ایک واڑی مجھے اپنے اپنے یاڑ کے ولیمے میں لے گئے...... اللہ جھوٹ نہ بلوائے...... میں نے زندگی میں پہلی واڑی ایسا ولیمہ دیکھا تھا جس میں کالے مٹر اور چنے چاول پکے تھے...... نالے ژائتہ، چٹنی ژکھنے کی بجائے لسوڑھے کا اچاڑ رکھا تھا......توبہ...... ایسے بھوکے ننگے یاڑ ہیں ان کے''۔

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کے مطابق روبینہ نے بھی گفتگو میں حسب توفیق حصہ ڈالا......

باپ اور بھائی کے بیان نے اسے اتنا اشتعال نہیں دلایا تھا جتنا بیوی کے ڈالے حصے نے دلایا...... وہ ہاتھ میں پکڑی ہڈی پھینک کے چینی کی پلیٹ کو پرے ہٹاتا...... شوربے کے چھینٹے اُڑاتا...... ماں بہن کی گالیاں روبینہ کے سارے میکے کو نوازتا گھر سے نکل گیا......

روبینہ زردہ دم دینا بھول کے دوپٹہ ناک پہ رکھ کے بھاں بھاں کر کے رونے لگی۔

''بس جی...... بری ہوگئی...... اتنے سال ہوگئے مٹی پلید کراتے...... ساڑوں کے سامنے ننگی گالیاں دے گیا ہے......کوئی نہیں ہے ژوکنے والا''۔

''سب دین سے گمراہی کا نتیجہ ہے......''

اجمل نے فتویٰ دیا تو تاؤ جی اس پہ بگڑ گئے۔

''اوئے نتیجے نہ نکال...... یہ بتا...... میرے ساتھ کون چل رہا ہے ایئر پورٹ...... اک عمر گزار کے وہ پردیس سے واپس آ رہا ہے اور دو بندے بھی اسے لینے نہ جائیں...... کتنا بُرا لگے گا اسے...... نہ اکمل جا رہا ہے، نہ اجمل...... سہیل نے تو ویسے ہی نہیں جاتا......''

''ابا جی...... ویسے چاچا جی کے نہ جانے کے پیچھے راز کیا ہے؟ میرا مطلب ہے ان کی چھوٹے تاؤ سے ایسی کون سی بات ہوئی تھی جو......''

مسرت نے سوہ لینے کی کوشش کی مگر تاؤ اشرف نے جھڑک کے رکھ دیا۔

''بس بس...... پرانی باتوں کو کھولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے......نہیں جاتا کوئی تو نہ جائے......دفع ہوں سارے...... میں اکیلا چلا جاؤں گا اپنے ویر کو لینے''۔

وہ تو مسرت کا سوال ٹال کے نکل گئے مگر مسرت کے ساتھ ساتھ فریحہ کے تجسس کو بھی مزید ہوا دے گئے۔

''نی فریحہ...... تجھے کچھ پتا ہے سالوں پہلے دونوں چاچوں میں کس بات پہ لڑائی ہوئی تھی؟''

''نہ...... میں نے پوچھا بھی تھا اک بار امی سے......مگر وہ ٹال گئیں''۔

''اپنے ابا جی سے پوچھنا تھا ناں......لڑائی ان کی ہوئی تھی۔ انہیں زیادہ پتا ہوگا''۔

''لو......ان سے پوچھ کے میں نے شامت لانی ہے''۔

''مگر میں بھی اب پتا لگا کے رہوں گی......''

''اس سے پہلے اندازہ نہ لگا لیں؟''

''چل پھر لگا اندازہ......''

''میرا خیال ہے میرے ابا جی کی چونکہ تب شادی نہیں ہوئی تھی......کنوارے تھے...... ہوسکتا ہے، انہوں نے چھوٹے تاؤ جی سے فرمائش کی ہو کہ وہ انہیں بھی اپنے ساتھ امریکہ لے جائیں انہیں

وہاں سیٹ کریں...... اور ان کی نئی نویلی امریکن میم بیگم یعنی ہماری چچی صاحبہ کو ناگوار گزرا ہو''۔

''مجھے تو لگتا ہے چونکہ چاچا سہیل تب منڈے کھنڈے تھے...... اب اتنے شوخے ہیں تب تو اور بھی ہوں گے اور گھر میم آئی ہو تو چاہے وہ میم بھر جائی ہی کیوں نہ ہو...... چھیڑنے کو دل کرا ہو گا۔ کوئی پونڈی مار لی ہوگی''۔

''ہا...... ہائے بھابھی...... میرے منہ پہ آپ نے میرے شریف اور باعزت ابا جی پہ نظر بازی اور اپنی بھابھی کے ساتھ بدتمیزی کا الزام بھی لگا دیا...... توبہ توبہ''۔

فریحہ با قاعدہ بُرا مان گئی۔

''الزام کب لگایا ہے...... صرف اندازہ مارا ہے''۔

''بڑی بُری طرح مارا ہے......''

وہ بڑبڑا کے رہ گئی۔

☆☆☆

''ابا جی تُسی کی کرو گے اوتھے جا کے''۔

دادا جی کو ساتھ چلنے پہ آمادہ دیکھ کے تاؤ جی چیں بہ چیں ہو رہے تھے۔

''کھوتیا...... توں کی کرن جا رہیا ایں؟''

(گدھے...... تم کیا کرنے جا رہے ہو؟)

''میں تو سرفراز کو لینے جا رہا ہوں''۔

''تو میں کون سا اسے واپسی کی ٹکٹ پکڑا کے دوبارہ امریکہ ٹورنے جا رہا ہوں...... میں بھی ساتھ لے کر آؤں گا''۔

''ابا جی...... ادھر سے ایئر پورٹ ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے''۔

''پیدل؟''

''نہیں...... گڈی پہ......'' وہ زچ ہو اُٹھے۔

''تے فیر بک بک کیوں کر رہیا ایں؟''

(تو پھر بک بک کیوں کر رہے ہو؟)

''توبہ......''

مارے کوفت کے تاؤ جی کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ اپنے بال نوچ لیں...... اگر ہوتے تو...... بال تو کب کے داغ مفارقت دے چکے تھے، اب خجالت اور کوفت مٹانے کے لیے وہ اپنی چندیا پہ ناخن کے کھسوٹے مارنے سے تو رہے......

''ابا جی...... سوزوکی پک اپ پہ جانا ہے...... ایک تو وہ اتنی اونچی ہے آپ سے چڑھا نہیں جائے گا...... اوپر سے اوکھے سوکھے ہو کے چڑھا بھی دیا تو آپ کا انجر پنجر ہل جائے گا اس سوزوکی کی سواری میں......''

''او کُج نہیں ہوتا......''

''اور اُدھر ایئر پورٹ پہ دو چار گھنٹے انتظار میں سوکھنا پڑے گا......''

''کیوں؟''

''ایسا ہی ہوتا ہے ابا جی...... سامان باہر آنے میں بڑا وقت لگتا ہے''۔

''چل بہانے نہ بنا...... میرا پُتر اتنے سالوں بعد گھر واپس آ رہا ہے...... میں نہ جاؤں؟...... ...نی کر لوگل''۔

''او ہو ابا...... تُسی شوگر دے مریض...... دِل گھٹ جائے گا''۔

''لو...... ایویں گھٹ جائے گا...... میں نے روح افزا کی تھرماس بھی بھر دی ہے اور ساتھ ...ٹی والا ڈبہ بھی''۔

ارم نے دادا کے کاندھے سے لاڈ سے لٹکتے ہوئے کہا...... آخر بڑوں کو راضی رکھنے میں ہی ...تھا۔ کل کلاں کو چاچا سرفراز کا امریکن بیٹا اس پہ دل ہار جاتا تو ہی دادا جی آخری فیصلہ سنا سکتے تھے ...فیصلہ ارم کے حق میں ہو، اس کے لیے اس کا دادے کی لاڈو بننا ضروری تھا۔

تاؤ اشرف نے کچا چبا جانے والی نظروں سے روح افزا کی بھری تھرماس اور سٹین لیس سٹیل ...لہ توشہ دان کو دیکھا اور پیر پٹختے گھر سے نکلے...... دادا جی لاٹھی ٹیکتے سیلن زدہ ڈیوڑھی میں جا ...ں پھنکاریاں مارتے ان کے پیچھے پیچھے تھے۔

...رت نے پلاؤ کے دیگچے کا ڈھکن اُٹھا کے دیکھا...... ایک تگڑی سی بوٹی اُٹھا کے گرما گرم ...ں ڈالی اور تھوتھنی ہلا ہلا کے کھائی۔ دوسرے دیگچے میں پڑے زردے میں سے اوپر اوپر نظر ...بادام چگنے لگی...... اب اس کا رُخ روبینہ کے کمرے میں تھا جہاں وہ اکمل کی دی گالیوں

کے گھاؤ سہلا رہی تھی اور اپنے سکے زئی خون کو اُبلنے سے روک رہی تھی......

''لعنت جوگا......مکھی جیسی شکل والا......شکو نہیں کڑتا میڑے جیسی زنانی مل گئی...... بدزبان......شوہدا''۔

''روبینہ......چل موقع اچھا ہے''۔

''کس بات کا؟''

روبینہ نے مسرت کا منہ ہلتے دیکھا تو دوبارہ پوچھا......

''پلاؤ میں سے بوٹیاں چننے کا؟''

''نی نئیں نی......دادی کے گوڈے سے لگ کے پرانے راز اُگلوانے کا''۔

''ژاز؟''

''ژاز نہیں......راز......وہ راز جو کوئی کھولتا ہی نہیں کہ آخر سرفراز چاچا جی اور سہیل چاچا جی میں لڑائی کس بات پہ ہوئی تھی''۔

''کھے تے سواہ گل ہوئی ہوگی......سانوں کی''۔

''نہیں روبینہ......پتا لگنا ضروری ہے۔ اب سرفراز چاچا جی پتا نہیں کتنے دن رہنے آرہے ہیں......پتا نہیں کس نیت سے آرہے ہیں......ہمیں بھی ساری کہانی پتا ہونی چاہیے......خاص طور پہ یہ کہ کون صحیح تھا......کون غلط......کون سچا......کون جھوٹا''۔

''پڑ بتائے گا کون؟''

''دادی......آگے تو دادا جی ان کے گوڈے سے گوڈا جوڑ کے بیٹھے ہوتے ہیں......آج ایئر پورٹ گئے ہیں......دادی ویسے بھی سڑی بیٹھی ہے کہ اسے ساتھ نہیں لے کے گئے......اوپر سے اکمل......اجمل اور چاچا جی کے نہ جانے کا بھی غصہ ہے۔ دیکھ لینا......میں نے دو سوال کرنے ہیں اور انہوں نے ساری کہانی فرفر سنا دینی ہے''۔

''منہ میں دند ہیں نہیں ان کے......دو باتیں کڑیں تو ساہ پھول جاتا ہے......فڑ فڑ کیا سنانا ہے''۔

''چل تو سہی''

وہ روبینہ کا بازو کھینچتی نیچے لے جانے لگی۔

ہم سفر ملتے گئے......قافلہ بنتا گیا......اور دادی کے کمرے تک جاتے جاتے ارم اور فریحہ بھی ساتھ تھے۔

اور وہی ہوا جو مسرت نے بڑے دعوے سے کہا تھا۔ دادی دو منٹ میں ہتھیار ڈالنے پہ تیار تھیں۔

''دیکھ لے......سہیل کے دِل میں کتنا کوڑ ہے۔ ابھی تک بھولا نئیں پرانی گلاں......نہیں ناں آیا سرفراز کو لینے......حالانکہ بے چارہ میرا سرفراز بھی تو سب کچھ بھلا کے واپس آرہا ہے ناں۔ کیا تھا جو یہ بھی دِل کی کالک دھو کے اسے لینے چلا جاتا''۔

''اس کا مطلب ہے دادی......کالک چاچا جی کے دِل میں تھی......''۔

ارم کے کریدنے پہ فریحہ ذرا مائنڈ کر گئی......آخر اس کے والد بزرگوار کا ذکر خیر تھا۔

''جی نہیں......تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے''۔

''چپ کر نی......میراثی تھے وہ، جو دونوں ہاتھ پیٹ پیٹ کے تالیاں بجاتے......سچ تو یہ ہے قصور سارا سہیل کا تھا جو جوانی میں شوخا اور ہوچھا ہی بڑا تھا......اور میں نے اور تمہارے دادے نے اس کے لاڈ میں اس کا ساتھ اس لیے دیا کہ چلو نکا ہے، ناسمجھ ہے۔ بس اس بات پہ سرفراز ناراض ہوگیا۔

''مگر ہوا کیا تھا دادی؟''

''گل ایہہ اے کڑیو......کہ یہ ویلا تھا اُنیس سو اٹھہتر کا''۔

اور دادی فلیش بیک میں انیس سو اٹھہتر کے رنگین ماحول میں چلی گئیں۔

راجیش کھنہ کی آنند......

رشی کپور اور ڈمپل کپاڑیہ کی بوبی......

زینت امان کی قربان......

خالدہ ریاست، طلعت حسین اور شکیل کی جوانی کے بلیک اینڈ وائٹ ڈرامے......

مالا بیگم اور رونا لیلیٰ کے گانے......

فلیپر......اونچے جوڑے......بڑے بڑے چشمے......

کشور کمار اور آر ڈی برمن کا عروج

نئی لہری کی آمد آمد

''گل ایہہ اے کڑیو! کہ یہ ویلا تھا انیس سو اٹھہتر کا''

دادی نے ہنکارا بھر کے کہا

''ہائے اللہ...... یہ کہانی سننے میں تو بڑا مزا آئے گا''

روبینہ نے دونو ہتھیلیاں اشتیاق سے ملتے ہوئے کہا۔

''مجھے وہ کہانیاں بڑی اچھی لگتی ہیں جو میرے پیدا ہونے سے پہلے کی ہوں۔''

اس بیان پر مسرت نے اسے زہریلی نظروں سے گھورا۔

''دادی انیس سو اٹھہتر کی بات کر رہی ہے، انیس سو اٹھارہ کی نہیں۔ ہونہہ...... پیدا ہونے سے پہلے کی۔ پھنی کا کی۔''

مسرت کے کہنے کی دیر تھی، روبینہ نے آستینوں کے کف پلٹے۔ آدھی آستینوں کے فیشن میں بھی اس نے کبھی پوری آستین نہیں چھوڑی تھیں کہ لڑائی شروع کرنے سے پہلے کا سگنل رہ جاتا تھا پھر......

''ہاں...... ہوں میں پھنی کا کی...... تیسری کلاس میں تھی جب سلمان خان کی فلم ''میں نے پیار کیا'' دیکھی تھی وی سی آر پر۔''

اس بیان پر ارم کے دیدے پھٹ گئے۔

سلمان خان کی فلم پہلی بار اس نے تب دیکھی تھی جب وہ آٹھویں میں تھی...... اور اس کی بھابی تین بچوں کی ماں...... موٹی سانڈنی اس سے بھی چھوٹی بن رہی تھی۔

''آہو...... میں نے رتیک روشن کی پہلی فلم چھلے میں دیکھی تھی۔''

مسرت بھی آج فل موڈ میں تھی ورنہ روبینہ کے منہ لگنے سے وہ دیوار سے سر پھوڑنا بہتر سمجھتی تھی۔''

''اوہو بھابی...... آپ لوگ کیوں بھول رہی ہیں کہ ہم یہاں کس وجہ سے اکٹھے ہوئے ہیں۔''

فریحہ نے ان سب کو دیا دلایا۔

''اور کیا...... آئے دادی کے لیے ہیں اور آپ سب کو اپنی پڑ گئی ہے...... پہلے دادی کی تو سن لو۔''

اور اس کے کہنے پر دادی نے ٹانگیں پسار لیں۔

''ہور کی...... نی مسرت...... تو یہ والی لت دبا...... تے روبینہ تو یہ والی لات دبا۔ ارم تیرے تن بڑی جان ہے۔ تو پچھے کھلو...... اور میرے مونڈے گھٹ۔''

دادی نے موقع سے فائدہ اٹھا کے سب کو اپنا کوئی نہ کوئی عضو دبانے کی سعادت بخشی اور ساتھ ساتھ داستان شروع کی۔

انیس سو اٹھہتر کا رنگین ماحول......

رشی کپور اور ڈمپل کپاڈیہ کی بوبی۔

ہم تم ایک کمرے میں بند ہوں اور چابی کھو جائے۔

زینت امان کی قربانی......

آپ جیسا کوئی میری زندگی میں آئے......

خالدہ ریاست، طلعت حسین اور شکیل کی جوانی کے بلیک اینڈ وائٹ ڈرامے۔

مالا بیگم اور رونا لیلیٰ کے گانے۔

فلیپر، اونچے جوڑے، بڑے بڑے چشمے۔

کشور کمار اور آر ڈی برمن کا عروج۔

چنگاری کوئی بھڑکے...... تو ساون اسے بجھائے......

اور نئی لہری کی آمد آمد......

آئی ایم اے ڈسکو ڈانسر......

ہو ہو ہو ہو......

☆☆☆

وہی گھر تھا...... وہی رنگ محل کے علاقے سنہری مسجد کی تنگ و تاریک گلی...... بس تب گلی میں اتنی گندگی تو نہیں چکراتی پھرتی تھی...... نہ ہی اوپر سے بجلی کی تاریں اتنی بڑی تعداد میں نیچے جھول رہی ہوتی تھیں...... نہ ہر گھر کے باہر دو دو موٹر سائیکلیں کھڑی ہوتی تھیں۔ اکا دکا گھر کے آگے ایک سائیکل ہوتی تھی۔

بیشتر گھروں کے سامنے کھلے صحن تھے۔ اب کی طرح نہیں کہ گلی کے منہ پر کمرے آرہے

ہوں......وہ تو بعد میں جیسے جیسے مکینوں نے آبادی بڑھائی......آنگنوں میں کمرے ڈالتے گئے......کھلی چھتوں پر کابکیں بنا کے کرائے پر چڑھاتے گئے......یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں یہ گلی نسبتاً کافی روشن اور ہوا دار تھی......ہر دوسرے آنگن میں لگے دھریک، کچنار اور آم کے چھتنار درختوں کی بہار تھی......تب والز اور اومور والے نہیں......پھیری والے زیادہ گزرا کرتے تھے۔

لڈو پیٹھی والے......بڑے کرارے۔

لچھا......مائی دا لچھا۔

کبھی کبھی یہ سریلی آوازیں تو کبھی جمعرات والے ملنگ رعب دار آوازوں میں پکارتے۔

''پیر سائیں آنداا ے......تے مٹھے چول کھانداا ے۔''

اور بیبیاں ذرا سا دروازہ کھول کے آٹے سے بھری پلیٹ باہر نکالتیں جن پر ایک دیسی انڈا اور بارہ آنے پڑے ہوتے۔ یہ آنے والے ہفتے بھر کے صدقے خیرات کے لیے کافی ہوتے تھے۔ اب ذرا کسی مانگنے والے کو بارہ روپے بھی دے کے دیکھو۔ وہ وہ برے منہ بناتے ہیں کہ دینے والا بھی شرمندہ ہو جائے۔ اب تو سمن آباد سے اقبال ٹاؤن تک یا فیصل ٹاؤن سے ماڈل ٹاؤن تک نکلو تو سارے راستے میں جتنے بھی سگنل آئیں کم از کم دو درجن مانگنے والے تو ضرور بھگتانے پڑتے ہیں اور گھر کی گھنٹی بھی ساری دوپہر میں دس بارہ دفعہ ضرور بجاتے ہیں۔ اس وقت کے فقیر بھی قناعت پسند تھے یا شاید محنت سے جی چراتے تھے۔ ست کہیں کے۔ کام چور۔ بس جمعے کے جمعے نکلتے تھے......یہ دیکھو لکڑی کے کواڑ سبز قلعی والے......اوپر بھاری کنڈے......ذرا سا ہلا کے چھوڑو تو پچھلے کوٹھڑے تک کھٹک جائے۔

''سن سن بھابی ڈھول پیا وجدا۔

نی ڈھول نہ وجے تے میلا ذرا نیوں سجدا......''

یہ نکڑ والے دودھ دہی کے کھوکے پہ لگا ریڈیو بج رہا ہے۔ اب یہاں ایزی لوڈ والا سٹال ہے۔ اس سے چار سال پہلے پی سی او تھا مگر اس زمانے میں دودھ دہی کا یہ سٹال خوب رش لیتا تھا۔ یہ موٹی ملائی آتی تھی......سویرے دودھ جلیبی اور لسی بن کا ناشتہ کرنے پورا محلہ آتا تھا۔ شام کو ہر گھر کا بچہ سٹیل کا ڈول لیے دودھ لینے آتا اور گھر کے گلک سے چرا کے لائے ''دسو'' سے ایک کھوئے والا پیڑا ضرور لیتا۔

اور یہ تیسرے نمبر پہ جو ادھ کھلا کواڑ ہے وہ ہے تاؤ اشرف اور چاچا سہیل کے گھر کا......جس کے ایک کمرے میں اس وقت دادی ماضی کے ورق پلٹ رہی تھیں......ماضی کے اس دریچے سے دیکھو تو تب یہ کمرہ سفید قلعی سے لپا چم چم کر رہا تھا۔ اب جہاں دادی بیٹھی تھیں وہ والی دیوار تو ساری کی ساری مسرت کی لڑکیوں اور حلیمہ کے لڑکوں کی خطاطی کے نمونوں سے بھری تھی۔ جس دیوار کے ساتھ روبینہ نے ٹیک لگا رکھی تھی اس سے ساری قلعی جھڑ چکی تھی۔ جگہ جگہ سے پلستر اکھڑا نظر آرہا ہے۔ اور روبینہ کی کریب کی میرون قمیض ساری سفیدی سے بھری نظر آتی تھی جب بھی وہ اٹھتی......اور دریچہ کے سامنے جو لکڑی کا دروازہ تھا اس پہ سالوں سے لکھے جاتے فون نمبرز تھے، البتہ تب نئی نئی قلعی کرائی تھی دادا جان نے جو تب زیادہ تر اباجی کہلاتے تھے......رنگ تب بھی سیاہ تھا مگر سیاہی میں اتنی سلوٹیں نہیں تھیں۔ مزاج اتنا زیادہ سڑا ہوا نہیں تھا۔ قد کچھ انچ لمبا لگتا تھا۔ ذرا سا کب نکال کے چلتے ہیں ناں......اب تہبند صرف رات کو سونے کے لیے پہنا کرتے تھے۔ اب کی طرح دن رات نہیں......کام پہ جاتے ہوئے ملیشیا کے سوٹ پہنا کرتے جو دادی اپنے محنت کش ہاتھوں سے کوئلے کی استری سے خوب دبا دبا کے استری کیا کرتیں۔

بڑے ٹھیلے تھے دادی کے تب۔ دو دو بہوئیں آچکی تھی۔ اشرف کی دلہن اور سہیل کی دلہن۔ سہیل کی بیوی کم عمر تھی مگر سمجھ دار تھی۔ تھوڑا بہت پڑی لکھی بھی تھی۔ البتہ مذہبی بہت تھی۔ نماز، روزہ، نعتیں، میلاد، نیاز، کونڈے، معجزہ امام بی بی، ہر بات پہ ایمان تھا اس کا......مگر تب ان سب پہ ضرورت سے زیادہ عمل کرنے کو ڈھکوسلا سمجھا جاتا تھا......سہیل کی بیوی راشدہ (موجودہ چاچی جی) کو بھی سب برادری کی نماز چور دلہنیں ڈرامے باز کہتی تھیں جس نے ہر وقت نماز والی چادر کی بگل ماری ہوتی تھی۔ وہ سب بھی پردے کرتی تھیں......فننگ والے ریشمی برقعے جن کے بٹن بند کرنے کے بعد سراپا بالکل آشا پاریکھ جیسا لگنے لگتا......گلی کا موڑ مڑتے ہی نقاب کا ڈھکن بھی اٹھ جاتا۔

راشدہ کے ہاں حلیمہ، سلیمہ اور بڑی والی کوثر کے ہاں اجمل اکمل دونوں کا نزول ہو چکا تھا۔ کوثر کے ہاں ارم کی آمد آمد تھی جبکہ راشدہ کے ہاں فی الحال فریحہ کے آثار دور دور تک نہ تھے۔ اور ندیم گود میں تھا۔ اجمل اکمل کے وہی مزاج تب بھی تھے......اکمل گلیوں میں کینچے کھیلنے کا شوقین......سکول سے بھاگنے کا عادی......فیل ہونے کا چیمپئین......اتنا ہی بے دید اور بدلحاظ......اجمل البتہ تب ایسا دینی بچہ نہ تھا۔ بلکہ جب گھر میں ٹی وی نہیں تھا تو چھپ کے ہمسایوں کے گھر ٹی وی دیکھنے جایا کرتا

تھا۔ اتوار کے اتوار دوردرشن سے رامائن تک دیکھنے کا چسکا تھا اسے...... حلیمہ سلیمہ قد نکال رہی تھیں اور راشدہ ابھی سے ان کے لیے رضائیاں، گدے بنوا بنوا کے جست کی پیٹی میں پھینک رہی تھی۔ ندیم بچپن سے ہی رونے دھونے والا تھا۔ حلیمہ سلیمہ میں لڑکپن سے ہی ایکا تھا۔

سرفراز کو ولایت گئے ڈھائی سال ہوگئے تھے۔ پچھلے سال گھر میں ٹی وی بھی آ گیا تھا۔ فون سننے کے لیے البتہ ابھی تک ڈاکخانے جانا پڑتا تھا۔ سرفراز نے پچھلے سال ہی جوڈی سے شادی کی تھی۔ کہتا تو یہی تھا کہ اسے کلمہ پڑھا کے اب اسے جوڈی جمیلہ کرلیا ہے مگر دادی سمیت کسی کو یقین نہیں تھا۔

''بھلا چوڑیں بھی کبھی لین پر آتی ہیں۔''

دادی کو اپنی نسل خراب ہونے کا بڑا قلق تھا۔

''ہائے سرفراز کے ابا...... اب ہمارے پوتے پوترے بھی بو مارے ہوں گے جیسے چوڑے ہوتے ہیں۔''

''انگریزوں کے چوڑے بو والے نہیں ہوتے۔'' دادا جی نے اپنی منطق جھاڑی۔

''نہ جی۔ چوڑا چوڑا ہی ہوتا ہے۔ پاویں عطر میں ڈبکی لگا کے آئے۔ اس کی چھاں ہی بُری ہوتی ہے اور انگریز تو نہاتے بھی نہیں ہوں گے...... ادھر ٹھنڈ جو اتنی ہوتی ہے...... اور میموں کے تو سنا ہے جوئیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ جوؤں نے ہی خون چوس چوس کے ان کے بال پھیکے رنگ کے کر دیئے ہوتے ہیں۔''

ویسے تو سرفراز شروع سے دادی کا سب سے چہیتا بیٹا تھا۔ آخر کالج تک گیا تھا۔ کیا ہوا جو کالج سے ڈگری لیے بغیر ہی نکل آیا۔ اب کون سی ڈگری چار مہینے میں ملتی ہے...... مگر گیا تو تھا ناں کالج...... جو اس بات کا پکا ثبوت ہے کہ اس نے میٹرک کسی نہ کسی طرح پاس کرلیا تھا۔

اوپر سے وہ سہیل اور اشرف کی نسبت ذرا منہ متھ (قبول صورت) بھی تھا۔ گورا...... چوڑا ماتھا...... کھلی کھلی آنکھیں، ناسیں ذرا زیادہ پھیلی ہوئی اور ہونٹ تھوڑے باہر کو لٹکے ہوئے تھے مگر کیا ہوا گورا رنگ اور کھلی آنکھیں سب عیب ڈھک لیتی ہیں۔

تیسری وجہ جو سرفراز کو دوسرے بھائیوں سے ممتاز کرتی تھی وہ یہ کہ...... وہ ماں باپ کا چاپلوس بڑا تھا۔ سہیل فطرتاً لاابالی اور اشرف چڑچڑا تھا۔ سرفراز کو عادت تھی ماں کی منجھی پہ چڑھ کے اس کے تکیئے پر سر رکھ کے بھائیوں کی چغلیاں کرنے کی۔ باپ کے سر پر کالا کولا لگاتے ہوئے اللہ

معاف کرے اس کے حسن و جوانی کی تعریفیں کرنے کی۔ اس لیے ماں باپ دونوں اس سے زیادہ خوش تھے۔ بہ نسبت اشرف اور سہیل کے اور اشرف اور سہیل دونوں کو اس کا جلاپا بھی بہت تھا۔

اسی لاڈ پیار کی وجہ سے ادھر سرفراز کے منہ سے ولایت جانے کی فرمائش نکلی اور ادھر داد، دادی نے سب جمع جتھا نکال کے دوسرے لڑکوں کے واویلا مچانے کے باوجود اسے روانہ کر دیا۔ مگر جیسے ہی اس نے جوڈی سے شادی کی اس سے سب سے چہیتے بیٹے کا سٹیٹس چھن گیا۔ اب ماں باپ کو اس سے بے پناہ گلے تھے۔ اٹھتے بیٹھتے رونے روئے جاتے۔ اس کی طوطا چشمی اور بے دیدی کے۔ اشرف نے تو خیر ساری عمر یہ چالاکیاں نہ سیکھیں البتہ سہیل نے موقع غنیمت جان کے ماں باپ کی زندگی میں لاڈلے بیٹے کا خانہ خالی دیکھ کے اسے بھرنے کی کوشش کی...... اور کسی حد تک کامیاب بھی رہا۔ کسی حد تک اس لیے کہ...... جب جب ولایت سے سرفراز کے منی آرڈر آتے اس کی شبیہ پھیکی پڑ جاتی اور کچھ دن تک گھر میں پھر سے سرفراز سرفراز ہونے لگتا۔

آج کل پھر سے یہ نام گونج رہا تھا گھر کی فضاؤں میں۔ کیونکہ سرفراز اپنی بیوی جوڈی یعنی جمیلہ کو لے کر پاکستان آرہا ہے۔ اپنے آنے سے پہلے اس نے ایک بھاری رقم بھجوا دی تھی ایک لمبی فہرست اور تاکید کے ساتھ۔

نمبر 1۔ گھر کا جو جو سوئچ کرنٹ مارتا ہے اسے فی الفور مرمت کرایا جائے۔

نمبر 2۔ غسلخانے کے دروازے کی چٹخنی لگائی جائے۔

نمبر 3۔ باورچی خانے میں گیس کے چولہے کے اوپر جو کپڑے سکھانے والی تار ہے اسے فوراً اتارا جائے تاکہ وہاں اپنے بچوں کے لنگوٹ جلدی سکھانے کے لیے نہ لٹکائیں جائیں۔

نمبر 4۔ کال بیل لگائی جائے تاکہ ہر دو منٹ بعد کنڈا کھڑکانے کی مکروہ آواز کانوں میں رس نہ گھولے

نمبر 5۔ اوپر والی منزل پر ایک اور کمرہ ڈلوایا جائے تاکہ سرفراز اور اس کی بیوی کو مکمل پرائیویسی مہیا کی جاسکے۔ (اس والی ہدایت پر دادی نے ایک ایک بندے سے پرائیویسی کا مطلب پوچھا تھا۔ کوئی بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ اور جب کسی شامت کے مارے نے دے دیا تو دادی نے چپل اتارلی...... بیڑا تر جائے...... کھوہ میں جائے پرائیویسی۔ شرم دا گھاٹا...... اپنے منہ سے مانگ رہا ہے۔ ہائے)

نمبر6۔ بھابیوں سے کہا جائے اپنے بچوں کوکنٹرول میں رکھیں۔

نمبر7۔اورآپ سے تاکید ہے آپ اپنے بچے یعنی سہیل کوکنٹرول میں رکھیں۔ خاص طور پراس کی زبان کو۔

نمبر8۔چھوٹی بھابی سے کہا جائے کہ جمیلہ کوالرجی ہے اس لیے اگربتیاں جلانے سے پرہیز کریں۔(اس پہ دادی نے پھر سے نکتہ اٹھایا......اے الرجی کی بلا اے......؟ اس وقت یہ لفظ اتنا زبانِ زد عام نہ تھا۔ اب تو خیر فقیر فقرا بھی مزے سے کہہ دیتے ہیں ہمیں فلاں چیز سے الرجی ہے...... ڈھمکاں سے الرجی ہے۔)

نمبر9۔ مونگرے، گونگلو، چونگاں وغیرہ کم ازکم دو مہینے نہ پکائی جائی اور ہاں وہ جو سردیوں میں اماں مولیاں پالک خشک کرکے رکھتی ہیں گرمیوں میں پکا کے ناک جلانے کے لیے وہ والا مرتبان تو ہرگز نہ کھولا جائے۔

نمبر10۔ اوٹ پٹانگ رشتے داروں کا داخلہ اس تمام عرصے میں سختی سے بند کیا جائے۔ خصوصاً زینب پھوپھی (کیونکہ اس کی کرائے دار کے ساتھ سرفراز کا عشق پیچا چلتا رہا تھا) اور چاچا عابد(جس کے ڈھائی سو روپے سرفراز نے نوسربازی کرکے ہتھیا لیے تھے جانے سے پہلے)

نمبر11۔حلیمہ سلیمہ کے سر سے جوئیں ختم کی جائیں۔

نمبر12۔اباجی کی گیس کے عارضے کا علاج کرایا جائے ان کو جوڑی کے ہوتے ہوئے قطعاً کوئی بادی چیز کھانے کو نہ دی جائے ورنہ وہ بیچاری دوسرے دن ہی گھبرا کے بھاگ جائے گی۔(اس ہدایت پر اباجی کی گیس دماغ کو چڑھ گئی۔ وہ وہ مغلظات ابلنے لگیں کیونکہ گوبھی، مولی، آلو، بڑا گوشت ان کو بے حد مرغوب تھے، کیا تھا جو یہ کھانے کے بعد گیس کے گولے ان کے پیٹ میں گھومتے رات بھر سونے نہ دیتے تھے)

اس ہدایت کے بعد اگلی چار پڑھنے کی نوبت نہ آسکی۔ کیونکہ اباجی یعنی موجودہ دادا جی نے فہرست ہی پھاڑ دی تھی۔

’’الو کا پٹھا......اوقات بھول گیا ہے۔ وڈا آیا ملکہ الزبتھ دا کھسم......نہیں پسند یہ جگہ تو نہ آئے......دفع ہوادھر......نہ لائے اپنی لاڈوں پٹی کو۔‘‘

یوں اس ہدایت نامے کی وجہ سے سب نے بڑے ہی برے دل سے سرفراز اور اس کی میم

بیوی جوڑی کا بڑے بجھے بجھے اور مرے مرے دل سے استقبال کیا اور کرنا تو تھا ہی۔میم جوڑی زہر دینے جوگی تھی......مگر سرفراز تو بیٹا تھا۔ وہ بھی ولایت پلٹ بیٹا۔کوثر تو پورے دنوں سے تھی اور راشدہ کے پاس چند مہینے کے ندیم کا عذر تھا ورنہ دادی کا تو بس نہ چل رہا تھا کہ اوپر کی منزل پرسرفراز اور اس کی بیوی کے لیے جو کمرہ ڈالا جا رہا ہے وہ بھی راج مزدوروں کی بجائے اپنی ان دو بہوؤں سے بنوا لے۔ ہاں بعد میں قلعی اس نے خود بہوؤں کے ساتھ مل کے کی تھی۔ چھوٹی موٹی بچتوں کے لیے تب دادی اکثر ایسے ایسے کام کرگزرتی تھی۔ منجی بن لینا......پیڑھی ٹھونک لینا......دروازوں اور دیواروں پر عید کے عید-سفیدی گھول کے قلعی کر لینا......پتیل کے بڑے بڑے دیگچوں اور سینیوں پہ لیموں اور سرکہ مل کے چم چم کر لینا......سرفراز کی آمد پہ وہ سب تیاریاں ہوئیں جو عید کی آمد سے پہلے ہوتی تھیں۔ ہر کمرے کی پرچھتی پہ پڑے ساس اور دونوں بہوؤں کے جہیز کے برتن جو سارا سال مٹی دھول خود پر جماتے رہتے اتار کے رگڑے اور مانجھے گئے......لنڈے سے لائے پردے دھو کے استری کرکے دو بارہ ڈوری سے باندھے گئے۔ سٹیل کے گلاس گھر والوں کے لیے مخصوص کرکے شیشے کے گلاس نکالے گئے۔تب سارا گھر سویرے سویرے تام چینی کے بڑے منہ والے پیالوں میں چائے ڈال کے اندر باقر خانیاں بھگو بھگو کے کھاتا تھا ناشتے میں۔اب چینی کی پتلی پتلی کپ پرچیں نکالی گئیں، نئے تولیے، خوشبو والا صابن......ساٹن کی بستر کی چادر، تکئے نئی روئی سے بھروائے گئے۔اور ایسے دبا کے بھروائے گئے کہ بس لگے ابھی پھٹے کے پھٹے۔

آخر کار سرفراز اور اس کی میم بیوی کی سواری اُتری۔ جوڑی اتنی بھی میم نہیں تھی۔ رنگ گورا تھا مگر بھوری چھائیوں اور سرخ تلون سے بھرا ہوا......آنکھیں نیلی تھیں......مگر بہت ڈھونڈنے کے بعد نظر آتی تھیں......سرسری سا دیکھو تو بس لگے کے ماتھے کے نیچے دو فیروزی نقطے ڈالے ہوں کسی نے......ناک ستواں تھی مگر اس کے مسام اتنے کھلے اور ہوادار تھے جیسے کسی نے میخیں گاڑنے کے بعد نکال لی ہوں اور سوراخ باقی رہ گئے ہوں۔ ہونٹ گلابی......مگر وہی آنکھوں والا حال کہ ناک کے نیچے ایک باریک سی گلابی لکیر کھینچی تھی اور ماشاء اللہ کیا خوب طویل کھینچی تھی۔ اس کان سے لے کر اس کان تک۔

غرض یہ کہ دینے والے نے جوڑی کو وہ سب نواز تھا جو حسن کے لوازمات میں شمار ہوتا ہے۔ گلابی ہونٹ، نیلی آنکھیں، گورا رنگ، سنہرے بال، ستواں ناک......مگر ساتھ ساتھ اس بات کا بھی پورا

بندوبست کیا کہ وہ ان پہ مغرور ہو کے اوقات سے باہر نہ ہو جائے۔

ویسے اخلاق کی اچھی تھی۔ دبا دبا کے سب سے گلے ملی...... بلا وجہ سب کے گال چٹا چٹ چومے۔ دادی نے تو اس کی بغلیں تک بطور خاص سونگھیں کہ نہاتی بھی ہے یا نام کی مسلمان ہوئی ہے اور حرکتیں وہی چوڑوں والی...... مہینوں نہ نہانے والی۔

''آئے ہائے...... تل کتنے ہیں اس کے منہ پہ۔''

بڑی بھابی (تائی جی) نے اس کے گورے چٹے رنگ کے آگے اپنی جھلسی ہوئی رنگت کا عیب چھپانے کے لیے نقص نکالا۔

''اور کیا بھر جائی...... تلوں والا لڈو لگ رہی ہے۔'' سہیل نے قہقہہ لگایا۔

''یا پھر تلوں والا کلچہ۔''

وہ شاید اس بیان میں مزید اضافے کرتا کہ راشدہ نے نظروں ہی نظروں میں گھور کے چپ کرایا۔ سرفراز ادھر ہی تو آ رہا تھا۔

''یہ تحفے آپ سب کے لیے۔''

باہر ڈھائی تین سال رہنے کے بعد بڑا بیٹا بڑا تمیز والا ہو گیا تھا سرفراز...... تو تکار کرنے کی بجائے آپ جناب کرنے لگا تھا اور دید لحاظ والا بھی ہو گیا تھا۔ تبھی تو تحفے لایا تھا۔

''ان کی کیا ضرورت تھی سرفراز۔''

راشدہ نے تکلف جھاڑا۔

''لے ضرورت کیوں نہیں تھی، ہمارے پاس کون سا ڈھیر لگا ہے ولایت سے آئی چیزوں کا......''

سہیل نے تھیلا جھپٹا اور ایک ایک کر کے سامان نکالنے لگا۔

اس کے اور اشرف بھائی جان کے لیے ایک ایک سفاری سوٹ......

راشدہ اور کوثر کے لیے چمڑے کے پرس اور میک اپ کا سامان

بچوں کے لیے نیکر شرٹیں...... فراک۔

اور گھڑیاں تو سب رشتے داروں میں بانٹنے کے لیے وہ بے تحاشہ لایا تھا اور کسٹم سے بچانے کا کیا نرالا ڈھنگ نکالا تھا اس نے...... اپنے اور جوڈی کے جتنے کپڑے تھے ان کی جیبوں میں ایک

ایک گھڑی ڈال کے سلیقے سے تہہ کیا ہوا تھا۔ وہ سب رشتے داروں کو تبرک کے طور پہ بانٹی گئیں۔

''یہ کیا ہے سرفراز؟''

کوثر نے ایک ڈبیا اس کے سامنے کی۔ سرفراز غور سے دیکھنے لگا پھر جوڈی سے انگلش میں کھسر پھسر کی۔ اور نجانے کیوں انگریزی سن کے کوثر اور رشدہ خوامخواہ شرما کے دوپٹے کے کونے دانتوں میں دبانے لگی۔

''بھابی۔ جوڈی نے لیا تھا یہ آپ کے لیے اسے بلش آن کہتے ہی۔''

''اچھا اچھا۔ بلش آن۔''

کوثر نے سر ہلایا جیسے ساری بات سمجھ گئی ہو۔

''بلش آن۔ پہلے بتانا تھا۔ میں سمجھی تھی ہورے کیا ہے...... نی راشدہ...... بلش آن ہے یہ۔''

''جی بھابی۔''

راشدہ نے بھی ڈبی الٹ پلٹ کر کے دیکھی۔

''ویسے اس کا کرتے کیا ہیں؟''

کوثر کے اگلے سوال پہ سرفراز نے گڑبڑا کے دوبارہ جوڈی سے رجوع کیا۔ جوڈی نے پریکٹیکل پہ یقین کرتے ہوئے کوثر کو بلش آن لگا کے دکھایا۔

''لے۔ سیدھی طرح کہہ، لالی ہے۔''

''ولایتی لالی۔'' راشدہ نے لقمہ دیا۔

محلے میں خوب تماشا لگا رہا۔ عورتیں آ آ کے جوڈی کو دیکھتی اور شرماتی رہتیں۔ اللہ جانے شرما یوں رہی تھیں۔ کوئی اس کی شلوار کا پائنچہ ذرا سا اٹھا کے دیکھتی اور باقیوں کو اطلاع دیتی۔

''نی...... اس نے پنڈلیوں سے بال مونڈے ہوئے ہیں۔ صفا چٹ پنڈلیاں...... ضرور ولایت میں گوڈوں سے اونچے فراک پہنتی ہوگی۔ بے شرم۔''

اور جوڈی مسکرا مسکرا کے سر ہلاتی۔

''تھینک یو۔ تھینک یو۔''

اسے لگتا وہ جمگھٹا بنائے اس کی پنڈلیوں کے سڈول پن کے قصیدے پڑھ رہی ہیں۔ یا اس کی سنہری زلفوں پہ نثار ہو رہی ہیں حالانکہ دو گھر پرے والی کبڑی ماسی اس کی لٹیں ہاتھ میں لے کے

اپنی پوتیوں کو عبرت دلا رہی تھی۔

''ایہہ دیکھو کڑیو......ہورنہ لاؤ تیل۔ جب تیل لگانے بلاتی ہوں نخرے شروع کر دیتی ہو......اس میم کا جھاٹا دیکھا ہے......جیسے بتیاں والا چولہا......وہ بھی سواہ سے بھرا ہوا۔ تیل نہیں لگاؤں گی تو تمہارے بال بھی ایسے ہی ہو جائیں گے۔''

''تھینک یو......تھینک یو۔''

جوڈی نے کبڑی ماسی کے ہاتھ سے اپنی لٹ نزاکت سے چھڑاتے ہوئے انکساری سے کہا۔

''ڈولے دیکھ اس کے۔''

کوثر کی بڑی بھابی نے جوڈی کے گداز بازو پہ چٹکی کاٹی تو جوڈی کھکھلا کر ہنس پڑی۔

''ناٹی......ناٹی۔''

''ویسے سوکھی مڑی ہڈیوں کی مٹھ ہے......مگر ڈولے اتنے تگڑے ہیں......لگتا ہے ورکشاپ میں گڈیاں ٹھیک کرتی رہی ہے۔''

''یو ناٹی......''

کوثر کی بھابی کے مسلسل چٹکیاں بھرنے پر جوڈی نے اسے اس کی بے تکلفانہ اور دوستانہ ادا سمجھتے ہوئے اپنی بے تکلفی بھی جھاڑی۔

رات کو ان دونوں کی سواری اوپر بھیجی گئی۔ نئے بنے کمرے میں......جس میں پہلا قدم رکھتے ہی سرفراز کو ایک زور کا جھٹکا لگا۔

- اندر مٹی کے تیل کی سخت ناگوار بو تھی۔ اس پہ حاری ہوتی فینائل کی گولیوں کی بو......اور سب سے بڑھ کے ایک اور عجیب سی بو جسے وہ پہچاننے سے قاصر تھا۔ یہ بو بعد میں پتا چلا کہ اس کے ولایت جانے کے بعد پچھلے گھر میں کوئی کمینے سے قصائی آ کے بس گئے تھے جو گوشت بیچ دینے کے بعد گائے بھینسوں کی بچ جانے والی چربی سمیت کے گھر لے آتے تھے اور پھر رات بھر چھت پر ٹین کے کنستروں میں چربی ڈال کے چولہوں پہ پکاتے رہتے تھے۔ ایسی منحوس واہیات حد تک غلیظ بدبو تھی کہ بندے کا بس نہ چلتا تھا اپنی ناک ہی کٹوالے۔ تاکہ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری کے مصداق نہ رہے گا ناک نہ سونگھے گا ایسی جناتی بدبو۔

بڑی مشکل سے اس نے جوڈی کو مطمئن کیا......پردے برابر کر کے......دبا کے کھڑکیاں

دروازے بند کر کے، درزوں میں دوپٹے ٹھونس کے باہر سے آنے والی جلتی چربی کی بو تو کم کی......اندر والی فینائل اور مٹی کے تیل کی بو اس نے پرفیوم سپرے کر کے کم کی۔ جس سے الرجی کی ماری جوڈی کو چھینکیں آنا شروع ہو گئیں۔

اوپر سے نئی مصیبت......اس نے سختی سے تاکید کی تھی کہ کمرے کے ساتھ اٹیچ باتھ ضرور بنا لینا تھا...... پہلے تو اشرف نے اس فرمائش کو غیر ضروری جان کے کانوں میں مارا اور صرف کمرہ بنانے کو ہی اپنا احسان گردانا۔ مگر آنے سے پہلے جب سرفراز نے بار بار فون کر کے باتھ روم......وہ بھی اٹیچ باتھ روم کی بار بار یقین دہانی کرائی تو دادا نے کہا

''اشرف......نہ ضد کر......بنا دے غسلخانہ اور لیٹرین۔''

''ایک گھر میں دو دو غسلخانے؟ یہ تو فضول خرچی ہے ابا جی۔''

''اس نے پیسے بھیجے ہیں۔ اسے ہوگی لوڑ......تیرا کیا جاتا ہے......یہ نہ ہو وہ واپس آ کے لامہ دے کہ ہو رے میرے دیئے پیسے کھانے تھے اس لیے غسلخانہ نہیں بنایا۔ لگا دے جتنے پیسے بچے ہیں۔ زیادہ لگ گئے تو آ کے بھر دے گا۔''

چیں بہ چیں ہوتے اشرف نے کمرہ مکمل تیار ہو جانے کے بعد اٹیچ باتھ روم بنوا تو دیا مگر سو سو باتیں کرتے ہوئے۔

''یہ نئے نئے رواج ڈالے گا اب گھر میں......کیا لوڑ ہے ایک گھر میں دو دو لٹرینیں بنوانے کی......اب کہے گا کہ گھر میں باورچی خانے بھی دو کرو......اتنا بھی کیا میستی اور ہڈ حرامی کہ بندہ چار سیڑھیاں نہیں اتر کے آ سکتا غسل خانے تک......وہ بھی بغل میں چاہئے نواب صاحب کو......''

''جان دے اشرف ہو سکتا ہے کوئی مجبوری ہو۔'' دادی کے دل میں لاڈلے کی محبت جاگی۔

''کیہڑی مجبوری؟''

''ہو سکتا ہے جوڈی میم پیچش کی مریضہ ہو اسے گھڑی گھڑی جانا پڑتا ہو۔ اب وچاری کدھر ادھی راتی پوڑیاں (سیڑھیاں) اترتی......''

مگر اب جو سرفراز دیکھ رہا تھا کہیں باتھ روم کا نام و نشان نہ تھا۔ ہوتا تو ظاہر ہے اندر کہیں اس کا دروازہ بھی کھلتا......خیر......رات تو کسی طرح اندر ہی اندر کھولتے گزاری مگر صبح حساب لیا گیا۔

''بنایا تو ہے غسل خانہ؟''

''کہاں ہے۔''

''بغل میں۔''

''کس کی بغل میں؟''

''کمرے کی بغل میں۔''

''کس کے کمرے کی بغل میں؟''

اس نے تحمل سے سوال پہ سوال داغا۔ یہ غلطی اسی سے ہوئی تھی کہ جب اشرف نے بڑے تحقیر سے دریافت کیا تھا کہ یہ انیچ باتھ ہوتی کیا بلا ہے تو اس نے جواب دیا تھا۔

''وہ غسل خانہ جو کمرے کی بغل میں ہوتا ہے۔''

اشرف اسے ہاتھ پکڑ کے اوپر لے گیا۔

''لے یہ دیکھ۔ کمرے کی بغل میں غسل خانہ، چپس کے فرش اور پنے فلش والا...... ساتھ میں نیلے رنگ کا میچنگ لوٹا بھی ہے۔ بالٹی اور ڈول سے میچ کر کے رکھا ہے لوٹا...... نیا تولیہ نہیں ملا...... وہ خاکی اور نسواری ہی رکھ دیا ہے دھاریوں والا۔

سرفراز نے سر پیٹ لیا۔ باتھ روم واقعی کمرے کی دائیں دیوار کے ساتھ جڑا تھا...... مگر اس تک جانے کے لیے کمرے سے نکل کے دائیں جانب مڑ کے پورا گھوم کے وہاں تک پہنچنا پڑتا تھا۔ کمرے سے اس تک کوئی دروازہ نہیں نکالا گیا تھا۔

''کمرے میں سے نکالنا تھا دروازہ۔''

''لے...... کمرے کے اندر ساری بو ہو جانی تھی......'' اشرف نے ناک چڑھائی۔

سرفراز ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا۔

''ایسا کر...... تجھے اتنا سا بھی چل کے جانا مشکل لگتا ہے تو یہ کھڑکی کھول...... اور چھال مار۔''

''کیا کھڑکی۔''

سرفراز نے حیرت سے کہا۔

''آہو...... یہ باری میں نے کھبے پاسے رکھوائی تھی کہ شام کو کھلے گی تو چن کا چانن اندر آئے گا مگر بعد میں تو نے غسل خانے کی رٹ پکڑ لی تو میں نے اسی باری کے ساتھ بنوا دیا۔''

اشرف نے چٹخنی کھول کے کھڑکی کے پٹ وا کیے۔ سامنے غسل خانے کا منظر واضح تھا۔

سرفراز نے ایک دفعہ اور سر پیٹ لیا۔

''اب کیا کھڑکی کھولنے سے بو اندر نہیں آئے گی؟''

''آتے جاتے وقت کھولو ورنہ بند کر دو۔''

''اب ہم دونوں کھڑکیاں پھلانگ کے جائیں گے؟''

''کوئی مشکل نہیں۔ ایہہ ویکھ......''

اشرف بھائی جان نے ذرا شوخے ہوتے ہوئے کھڑکی سے چھلانگ لگائی۔

''ایہہ ویکھ...... اتھے رکھ گوڈا تے اے گیا بندہ اندر...... ہائے''

ان کا گھٹنا چپس کے فرش سے ٹکرایا تھا۔ اس بار سرفراز نے دیر تک ماتھا پیٹا......

''اور یہ مٹی کے تیل کی بو؟''

''اماں جی سے سفیدی گھولتے ہوئے مٹی کی تیل کی پوری کپی ڈل گئی تھی۔''

''کیا؟ اماں جی نے سفیدی کی تھی؟''

''تجھے تو پتا ہے اماں کی عادت کا۔''

''مگر میں نے اتنے پیسے بھیجے تھے کم تھے کیا؟''

''نہیں...... سفیدی والے کو دینے کے لیے بھی نکلتے تھے اس میں سے اور نکلے بھی تھے۔ وہ اماں نے لے لیے...... کہ سفیدی میں نے کی ہے تو یہ مزدوری میری۔''

اب کے سرفراز نے سر پیٹا نہیں...... دیوار سے دے مارا۔ گیلی سفیدی بھر کے اس کے چوڑے ماتھے اور بالوں کے کنڈل پر لگ گئی۔

''اب خدا کا واسطہ ہے اشرف پائی جان...... یہ بات جوڑی کو نہ بتانا۔ وہ کیا سوچے گی۔'' اس نے ہاتھ جوڑے۔ جن کو کھولتے ہوئے اشرف نے تسلی دی۔

''پاگل...... میں کیسے بتا سکتا ہوں۔''

''مگر آپ کو تو پرانی عادت ہے گھر کی باتیں کھولنے کی۔''

''اب بھی ہے مگر تیری زنانی کے سامنے کیسے کھول سکتا ہوں۔ مجھے انگریزی آتی ہے بھلا۔''

''ہاں...... یہ بھی ہے۔''

سرفراز کو تسلی ہوئی۔

یہی تسلی اس نے کچھ دیر بعد جوڈی کو بھی دی جب وہ بھی کھڑکی سے واش روم میں چھلانگ مارتے ہوئے گٹے میں چوٹ لگا بیٹھی۔

''ناں اتنی کیا آلکسی ہے؟ چار قدم پر غسلخانہ ہے۔ باہر سے نکل کے چلی جائے۔'' سرفراز کی شکایت پر دادی نے کہا۔

''باہر جو چربی کی بو ہے اس سے دم الٹنے لگتا ہے بندے کا۔ ویسے اماں...... یہ چربی جلاتے کیوں ہیں؟''

''گھیو بنانے کے لیے۔''

''گھی؟''

''آہو۔ چربی چار ٹو گھنٹے پکتی ہے تو پگھل کے گھیو بن جاتا ہے۔ بڑا بکتا ہے یہ گھیو۔''

''کون خریدتا ہے یہ مردہ جانوروں کی چربی سے بنا بدبودار گھی؟''

سرفراز نے ابکائی روک کے کہا۔

''ستے ہوٹلوں والے......ہسپتال کی کینٹین والے، سموسے جلیبی تلنے والے۔''

اس شام سرفراز نے وہ سموسے جوڈی کو بالکل نہ کھانے دیئے جو سہیل لایا تھا۔

''اماں......سرفراز کی آکڑ دیکھی ہے؟ اپنی زنانی کو میرے لائے سموسے نہیں کھانے دیئے...... میں نے کوئی زہر ڈالنا تھا اس میں۔''

سہیل کے گلے پہ دادی نے تسلی دی۔

''سمجھایا کر سہیل......سموسے کھائے گی تو اس کے ٹڈ میں مروڑ اٹھیں گے......فیر اسے غسل خانے جانا پڑے گا......اک گٹا توڑ کے بیٹھی ہے......دوسرا گوڈا بھی رہ جاتا......ویسے کیسی میم ہے یہ......ایک چھال بھی نہیں مارنی آتی اسے......میں نے تو سنا تھا کہ میمیں بڑی کوٹھے ٹپیاں ہوتی ہیں۔''

اگلی صبح جوڈی نے ایک اور غضب کیا......سو کے اٹھی اور نائٹی میں ہی کمرے سے نکل کے کوٹھے کا چکر کاٹ کے واش روم تک گئی......اب آس پڑوس میں تب تک خاصا رواج تھا کوٹھے یا برساتی پہ چارپائیاں ڈال کے سونے کا۔ بیبیاں تو دن چڑھنے سے پہلے ہی کھیس سرہانہ اٹھا کے نیچے اتر

جائیں کہ دن کے اجالے میں کسی کی نظر پڑنے سے بے پردگی نہ ہو۔ جوان جہان بھی کاموں پہ چلے جاتے مگر بابے چونکہ ایک تو ویلے ہوتے تھے دوسرے انہوں نے از خود نوٹس لینے کا ٹھیکہ لیا ہوتا تھا اس لیے دھوپ سر پر آنے کے بعد بھی اوپر پڑے کھنکھارتے رہتے اور بنیرے بنیرے سے جھانک کے آس پاس کے گھروں کے آنگنوں مین جھانک کے جائزہ لیتے۔ تب زیادہ تر باورچی خانے صحن کے کسی کونے میں دو چھتی کے نیچے یا برآمدے کے اندر چولہا چوکی رکھ کے بن جاتے۔ ان بابوں کو سب پتا ہوتا کس کی زنانی کئے گھیو والے پراٹھے کے ساتھ انڈا دیتی ہے۔ کس کی زنانی اتنی کم کوس ہے کہ چائے کے ساتھ پاپے کھا کے جانا پڑتا ہے بے چارے کو۔ کس کی بہو اتنی چٹوری ہے کہ ہانڈی بھونتے ہوئے بوٹیاں کھا جاتی ہے۔ ان بابوں کی عمر کا لحاظ کر کے کوئی ان کو تاک جھانک سے منع بھی نہیں کرتا تھا۔ اس بات پر لونڈے لپاڑے بڑا ہنستے تھے۔

''واہ جی۔ ہم ذرا کوٹھے پہ جائیں تو سارے محلے کو پیڑ ہو جاتی ہے کہ منڈے کھنڈے کا کوٹھے پہ کی کم؟ نظر بازی کرتا ہے۔ بابے چنگے فیدے میں ہیں۔''

ایسے ہی دو تین بابوں نے اپنی بجھتی ہوئی بصارت سے بڑا ودیا کام لیتے ہوئے جوڈی کو نائٹی میں دیکھ لیا۔ اگرچہ وہ نائٹی کوئی ایسی قابل اعتراض نہ تھی۔ پوری نہ سہی، آدھی آستین ہی تھیں۔ ٹخنوں سے بس ذرا سی اونچی تھی۔ فننگ والے کالی ساٹن کے برقعوں سے بھی ذرا کم قابل اعتراض......مگر جی ولایتی لباس تو پھر ولایتی لباس ہوتا ہے......نہ دوپٹہ......وہ شور مچا کہ بس۔ دادی پہلے تو اہل محلہ سے خوب لڑی۔ سب کے کچے چٹھے کھولے۔

''آہو......تیری نوں بڑی بی بی ہے ناں جیسے......تارے لانی، سبزی والا اسی کو کیوں سوا روپے کلو آلو دیتا ہے۔ ہمارے لیے تو مر مر کے ڈیڑھ روپے کلو پہ راضی ہوتا ہے۔ اور نی توں پھا تا...... تیرے گھر کے سامنے لچھے والا دو واری سائیکل کی گھنٹی بجا کے جاتا ہے......وجہ؟ اور یہ بابے......ان کا تو اب ملکو ٹھپنا ہی پڑے گا۔ ہر ویلے بنیرے سے لگے آلے دوالے جھاتیاں مارتے رہتے ہیں...... شوہدے......پتا نہیں جوانی میں کون سے چن چاڑے ہوں گے انہوں نے......خبردار جو کسی نے میری میم نوں یہ گل دھی تو''

ان سے نمٹنے کے بعد سرفراز کی سختی آئی۔

''بے غیرتا......شرم دا گھاٹا۔ اس لیے منع کرتی تھی تجھے۔ دیکھا......آج سارا گوانڈ اکٹھا ہو

کے لامہ دینے آیا ہے کہ تیری زنانی ادھے کپڑے پہن کے بابوں کی آکھوں میں ٹھنڈ ڈالتی ہے۔''

''کیا ہوگیا ہے اماں۔ اسے ہفتہ ہونے والا ہے یہاں۔ کبھی آپ نے اسے کسی ایسے ویسے لباس میں دیکھا؟ نیچے آنے سے پہلے وہ شلوار قمیض اور دوپٹہ لیتی ہے۔ اب بے چاری سحری کے وقت باتھ روم جانے کے لیے بھی بطور خاص کپڑے بدلے؟''

''اندر باری ہے ناں..... اس سے جائے چھال مار کے۔''

''مجھے اپنی بیوی سالم واپس لے کے جانی ہے اماں۔ ایک گٹا اس کا زخمی ہے۔ اب کیا لنگڑی کروانی ہے۔''

سرفراز کی جان مصیبت میں آئی ہوئی تھی مگر جوڈی کے مزے تھے۔ وہ تو ایسے انجوائے کررہی تھی جیسے ساری عمر چیچو کی ملیاں گزارنے والا ڈزنی لینڈ کی سیر کو چلا جائے۔

کبھی صدیقاں کے ساتھ جڑ کے بیٹھی اس سے یہ فن سیکھ رہی ہوتی کہ بچے کو گھٹنوں میں دبوچ کے اسکے جھتے کے جھتے بالوں میں سے چن چن کے لیکھیں کیسے نکالی جاتی ہیں اور پھر ان کو ایک ناخن کے اوپر رکھ کے دوسرے ناخن سے مارا کیسے جاتا ہے۔

کبھی بڑی حیرت سے دابڑے میں جمے کالے دیسی صابن کو چیک کرتی کہ صابن کی اتنی بڑی ٹکیہ کیسے بنی۔ اسے اس نے سوپ کیک کا نام دیا تھا۔

کبھی کوثر..... جو پورے دن سے تھی اور ہر وقت لسوڑھے کا اچار چوستی رہتی تھی اس سے ذرا سا اچار چکھ کے دیر تک اپنی چندی مندی آنکھوں کو اور بھی چندا مندا کرتی رہتی۔

کبھی دادی سے شلوار کا ازار بند باندھنا اور نیفے میں ڈالنا سیکھتی تو کبھی راشدہ سے دودھ پتی بنانا سیکھتی۔

مگر غضب تو تب ہوا جب اس نے سہیل سے کچھ سیکھنا شروع کردیا۔ خیر اس کا تذکرہ بعد میں پہلے سہیل کی تازہ سرگرمیوں پہ ایک نظر.....

سدا کے شوخے اور پھڑ باز سہیل کے ہاتھ اچھا مشغلہ آگیا تھا میم بھرجائی کی صورت میں..... اس کا بس نہ چل رہا تھا جوڈی کو پینٹ بشرٹ پہنا کے اپنے ساتھ لارنس گارڈن گول گپے کھلانے یا شالا مار باغ چھلے کھلانے لے جائے..... بے چارے کی اوقات یہی دو چیزیں کھلانے جوگی تھی۔ اور وہ لے کے بھی گیا۔ گول گپے کھلانے کی اپنی سی کوشش بھی کی مگر پینٹ بشرٹ پہنانے میں

کامیاب نہ ہو سکا۔ دادی، دادا تو ایک طرف..... خود سرفراز سخت غیور ثابت ہوا تھا بیوی کے بارے میں۔ حرام ہے جو اسے شلوار قمیص کے علاوہ کچھ پہننے دے۔

جلا بھنا سہیل بعد میں بھڑاس نکالتا۔

''ٹوپی ڈرامے..... ایویں چولیں مار رہا ہے..... ہمیں کیا پتا نہیں ہے میموں کا۔ اُدھر جا کے اندر میں ڈبکیاں لگاتی ہو..... ادھر آ کے پردے کر رہا ہے۔''

بہرحال ایک دن وہ اس بات پہ جوڈی کو رضامند کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ وہ گھر کے اندر ہی سہی..... مگر پینٹ بشرٹ اور فراک میکسی پہن کے سہیل کے ساتھ تصویر کھنچوالے۔ اس دن راشدہ میکے گئی ہوئی تھی..... اسے کھل ہی بڑی تھی۔ کوثر اندر دائی سے مالش کرا رہی تھی۔ دادی محلے کی چند خستہ حال مائیاں جمع کر کے رضائیاں نگندرہی تھی۔ دادا جی اشرف کے ساتھ دکان پر تھے اور اندر سہیل جوڈی کو شیشے میں اتار رہا تھا۔ آخر میم آئی تھی گھر میں..... ٹھیک ہے..... بھابی ہے..... بھائی کی عزت ہے۔ وہ کون سا خدانخواستہ غلط نظر ڈال رہا ہے۔ اللہ معاف کرے۔ مگر اب میم کے گھر آنے کا اتنا بھی فائدہ نہ ہو کہ بندہ چار یاروں کے سامنے شو بھی نہ مار سکے۔ اور یہ شو شلوار قمیض والی میم کے ساتھ تصویر کھنچوا کے نہیں ماری جا سکتی۔

''مگر میرے پاس تو جینز شرٹ ہے ہی نہیں۔'' بہت مشکل سے جوڈی سہیل کو سمجھا پائی۔

''کوئی بات نہیں..... ابھی نکالتے ہیں اس کا حل۔'' اس نے بھی اتنی ہی مشکل سے اپنی بات سمجھائی۔

اور اندر سے سرفراز کی پینٹ نکال لایا..... سرفراز کی کمر تب 32 اور جوڈی سوکھی سڑی..... خاص مزا نہ آیا۔ مگر بہرحال کمر سے بیلٹ خوب کس لی گئی۔

شرٹ البتہ سہیل نے اپنی دی..... آدھی آستینوں والی اور بڑے کالروں والی..... چیک دار۔

جوڈی کے بال کھولے گئے..... ایک پھول کان میں اٹکایا گیا۔ گلی میں پھیرا لگا کے میک اپ بیچنے والے میناری والے سے خریدا غازہ گالوں پر تھوپا..... افشاں پپوٹوں پہ چھڑکی..... شمیم آرا سٹائل کے جوڑے جو رنگ محل کی دوکانوں پہ لٹکے ہوتے تھے اور نشو بیگم کے بالوں جیسی گھنگریالی لٹیں جو انارکلی کی ہر دوسری دوکان پر لٹکی ہوتی تھیں وہ بھی لائی گئی۔ جوڑا عین کھوپڑی اور گھنگریالی لٹ بائیں کان پہ اٹکائی گئی۔ دائیں کان پہ تو پہلے ہی گیندے کا پھول ہلکو مار کے بیٹھا تھا۔ گال پہ اور ٹھوڑی پہ سیاہ تل

بھی بنایا تھا جو کہ سراسر اضافی تھا۔ اتنے سارے تل تھے تو سہی مگر ان بھورے تلوں سے چونکہ سہیل کو ہمیشہ جوڈی کا چہرہ تلوں والا کلچہ لگتا تھا اس لیے اس نے تبت کریم کے اوپر پت مارکہ پاؤڈر خوب جما جما کے بٹھایا اور وہ سارے تل چھپا کے اس خوفناک سفیدی کی شان بڑھانے کے لیے راج ماں کے دانے کے برابر کالے تل گال اور تھوڑی پہ جما دیئے ہاشمی سرمے کی مدد سے اور لگا دھڑا دھڑ تباہ کن پوز لینے ...... کیمرہ اپنے فوٹوگرافر دوست سے کرائے پہ لایا تھا...... دو دن بعد جب تصویریں ڈھل کے آئیں تو فخر سے سب سے پہلے سرفراز کو ہی دکھائیں۔

وہ دیکھتے ہی برا مان گیا۔

''اماں...... دیکھا آپ نے سہیل کو...... شادی ہوگئی...... تین بچے ہوگئے اس کی بے وقوفیوں اور شوخے پن کو آرام نہیں آیا۔ اب اس عمر میں یہ اس کی حرکتیں ہیں کرنے والی۔''

'' کی کردتا اے؟''

دادی نے ڈنڈے سے تابڑ توڑ حملے کر کے دادا جی کے کرتے سے میل چھڑاتے ہوئے پوچھا۔

''شادی شدہ بال بچے دار...... ستائیس اٹھائیس سال کے بندے پہ یہ سوٹ کرتا ہے کہ وہ مغلپورے کی نہر کے کنارے کھڑے کھسروں کی تصویریں بناتا پھرے۔''

''ہیں؟'' سہیل سٹ پٹا گیا۔

''اور کھسرے بھی ایسے واہیات۔ سنبھال لو اماں اسے کھسروں کی محبت میں آوارہ ہو جائے گا۔ کسی نے اسے کھسروں کے ساتھ مذاکرات کرتے دیکھ لیا تو ناک کٹ جائے گی خاندان میں...... میں تو کہتا ہو اس کا مغل پورے جانا ہی بند کراؤ۔''

''اور پائی...... غور سے دیکھ...... یہ مغل پورے کی نہر والا کھسرا نہیں ہے...... یہ تو......''

''کیا یہ تو؟...... اچھا تو پھر میلہ چراغاں میں جو سرکس لگتی ہے اس میں ناچنے والے کسی کھسرے سے یاری لگائی ہوگی۔ شرم کر سہیل...... شرم کر...... دو دو بچیوں کا باپ ہے تو...... اور......''

''او یہ بھابی ہے...... جمیلہ بھابی۔ جوڈی بھابی۔ غور سے تک۔''

سرفراز کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ وہ تو ابھی سہیل پہ کھسروں سے کچھ اور قسم کے تعلقات کے سنگین الزامات بھی لگانے والا تھا کہ سہیل نے اس کے سر پہ بم پھوڑ دیا۔

وہ بوکھلا کے غور سے تصویریں دیکھنے لگا۔ بہت کھوجنے پہ انکشاف ہوا کہ تبت سنو کریم...... پت مارکہ صابن کی تہہ کے نیچے چھپا یہ چہرہ اس کی عزیز از جان بیگم کا ہی ہے...... اس رات سہیل اور سرفراز میں بڑی مارا ماری ہوئی۔ ہاتھا پائی تک نوبت آگئی۔

''بے غیرت...... بھابی ہے وہ تیری......''

''ہاں ہے تو؟...... میں نے کونسا بھابی کے تگ اتار لیے ہیں؟''

''تیرے دل میں عزت ہی نہیں ہے رشتوں کی۔''

''کیوں نہیں ہے۔ عزت ہے تو تصویریں بنوا رہا تھا۔''

''ایسی تصویریں۔''

''او برائی کیا ہے ان تصویروں میں؟...... اور تو تو ایسے تپ رہا ہے جیسے وہ ولایت میں برقعے چادریں لیتی تھی؟ کبھی نہیں پہنی تھی اس نے پتلون۔''

''مگر اس نیت سے نہیں پہنی تھی...... سب سمجھتا ہوں۔ تم یہ تصویریں لے جا کے اپنے لفنگے دوستوں کے سامنے پھڑیں مارنے والے تھے...... ہے ناں؟''

''اور کیہڑیاں پھڑاں...... کھسرے ورگی زنانی...... تے گلاں سنو...... ہونہہ...... پھڑاں۔''

اب کے سرفراز نے آگے بڑھ کے سہیل کے چمانٹ لگا دی...... سہیل کون سا کم تھا۔ وہ تو شروع سے ہی ہتھ چھٹ تھا...... اس نے سرفراز کو نیچے گرا کے اس کے پیٹ میں دے گھنسے پہ گھنسا مارا۔

دادی نے سینہ پیٹ پیٹ کے سارا محلّہ اکٹھا کر لیا۔

''ہائے او لوکو...... باہر والی نے آ کے میرے منڈے لڑا دتے...... ویر ویر دے گل پے گیا'' (بھائی بھائی سے لڑنے لگا)

''ناں نی نیفاں...... باہر والی تو دس دن پہلے آئی ہے...... مجھے تیرے گوانڈ (پڑوس) میں آئے دس سال ہوگئے ہیں...... ہر دوسرے دن تو تیرے منڈے ایک دوسرے کے گل پڑے ہوتے ہیں۔''

یہ جس ہمسائی نے سچ بولے کی جرات کی تھی۔ سب سے پہلے تو دادی نے اس کی گت مروڑ کے اسے گھر سے نکالا اس کے بعد سہیل اور سرفراز دونوں کو دو ہنٹر مارے۔ اشرف شور سن کے بنیان پیٹ سے اٹھاتا۔ پسلیاں کھجاتا کچی نیند میں باہر نکل آیا۔

"کی رولا اے؟"

"چھڑ اویروں کو۔"

دادی نے ہلکان ہوتے ہوئے دھائی دی۔

"ان کا روز کا تماشہ ہے۔ میں سارے دن کا کھپا ہوا یہ سیاپے دیکھنے کے لیے ہی رہ گیا ہوں۔"

وہ اسی طرح بنیان اٹھا کے پیٹ کھجاتا اندر گھس گیا......مگر دو منٹ بعد ہی بنیان کے اوپر کرتا پہنتا گرتا پڑتا افراتفری کے عالم میں گھر سے باہر بھاگا۔ کوثر کو درد ہو رہا تھا۔ دائی لینے جانا تھا اور شامتِ اعمال کے محترمہ دائی صاحبہ وہی ہمسائی خاتون تھیں جس کی ابھی ابھی تازہ تازہ دادی کے ہاتھوں گت مروڑی گئی تھی......اور جس کی بیٹی کے تازہ کارناموں اور طلاق کے اسباب پہ روشنی ڈالی گئی تھی......وہ مزے سے اکڑ گئی۔

"میں تے نئیں آندی۔"

فی الحال کوئی جان پہچان والی دائی......خصوصاً زندہ سلامت دائی نظر میں نہ تھی۔ اس لیے رکشہ کرا کے کوثر کو ہسپتال لے جانا پڑا۔ یوں ارم خاندان کی وہ پہلی اولاد تھی جسے گنگا رام ہسپتال میں پیدا ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور وہ بھی کمزور نظر اور مضبوط ہڈ پیر والی دائیوں کی بجائے چڑچڑی ڈاکٹرز کے ہاتھوں۔

کوثر کی اس تازہ کارروائی کے نتیجے میں سہیل اور سرفراز کا جھگڑا وقتی طور پر دب گیا۔ مگر سہیل کو اندر ہی اندر بڑا قلق تھا......اب وہ بال بچے دار آدمی تھا۔ اس کی قد نکالتی بچیوں کے سامنے سرفراز نے اسے ریپٹا دے مارا تھا۔ وہ شرم کے مارے بچیوں کے سامنے نہ جا رہا تھا۔

"دفع کرو جی......تسی منہ ای نہ لگایا کرو جوڑی چوری کو......"

راشدہ نے دل سوزی سے مشورہ دیا......ویسے بھی اسے شوہر کا جوڑی کے ارد گرد منڈلانا پسند نہیں تھا چاہے وہ رشتے میں اس کی بھابی ہی کیوں نہ ہو۔

"اتنی جلدی دفع کیسے کروں! کون کون سی بات نہیں کر ڈالی سرفراز نے مجھے......کیسا کیسا طعنہ نہیں دیا۔ اتنی آسانی سے میں اسے چھوڑنے نہیں والا۔"

"رہن دیو......دفع کرو۔ ویسے بھی مہینے تک اس نے واپس چلے جانا ہے۔"

"میرے سے بستی خراب کرائے بغیر وہ یہاں سے نہیں جائے گا۔ جیسے سارے محلے اور سارے گھر کے سامنے میرا تماشا لگا ہے......ایسے ہی اس کا اور اس کے تلوں والے کلیجے کا لگے گا۔ بڑا شرموں اور غیرت والا بنا پھرتا ہے۔ اب دیکھنا کیسے جنازہ نکالتا ہوں میں اس کی شرم اور غیرت کا۔ منہ چھپاتا پھرے گا۔"

اور سہیل کے شیطانی تخریب کار دماغ میں ایک سازش پلنے لگی۔ جس پہ عمل درآمد اس نے اگلی صبح سے ہی کر دیا۔

"نی راشدہ......تیرا رنگ تو بڑا لاٹیں مارنا شروع ہو گیا ہے......شاوا۔"

دادی نے غور سے چھوٹی بہو کے لشکارے مارتے چہرے کو دیکھ کے کہا۔

"وہ اماں جی......جوڑی......میرا مطلب ہے جمیلہ نے جو کریم دی تھی لگانے کے لیے...... اسی کا اثر ہے۔"

"اچھا......دادی دل مسوس کے رہ گئی۔ کیا تھا جو سرفراز اور اس کی میم ماں کو بھی کوئی کریم پوڈر دے دیتے۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی۔ کوثر اور راشدہ کی طرح بیس پار کرنے کے بعد نہیں بیاہی گئی تھی بلکہ بیس تک پہنچنے سے بہت پہلے ہی تینوں لڑکے اسکی گود میں تھے۔ اس کے دل میں ابھی بننے سنورنے کے ارمان باقی تھے مگر وہ شادی بیاہ کے بہانے ہی ذرا بچ بن لے تو ٹھیک ورنہ سب اس سے یہی توقع رکھتے تھے کہ وہ پھیکے رنگوں کے جوڑے پہنے۔ بالوں کو کالی مہندی کی بجائے لال مہندی سے رنگے اور زیور کے نام پر کانوں میں سونے کی مرکیوں، ناک کے کوکے اور ہاتھ کے چاندی کے کڑوں کے علاوہ کچھ نہ پہنے۔ اس کا بھی جی چاہتا تھا ابھی رنگ برنگی کانچ کی چوڑیوں کو......اور کچھ بس نہ چلتا تو پھر مہینے کی پہلی جمعرات کو داتا دربار جا کے منت کے کانچ کے کڑے چڑھا آتی۔ کبھی کمیٹی نکلنے کی منت کا بہانہ......کبھی کسی بچے کی بیماری دور ہونے کی منت کا بہانہ......کبھی مجازی خدا کے کاروبار میں ترقی کی منت کا بہانہ......بہانے تو بہت تھے کلائی کالے، سنہرے اور ہرے کڑوں سے چند دن سجی رہتی۔ ایک بڑی پرانی سرخی سالوں سے اس کے پاس تھی۔ اب تو کھولنے پہ اس کی چونچ بھی باہر نہ نکلتی تھی۔ چھوٹی انگلی اندر ڈال کے سرخی کی باقیات نکالنی پڑتیں اور رگڑ کے ہونٹوں پر لگائی جاتی۔ میاں میر کے عرس سے کوئی گیارہ تیرے سال پہلے لی تھی۔ اب ایسی سرخیاں کہاں۔ اب تو ادھر لگاؤ......ادھر غائب......یہ ایسی ڈھیٹ سرخی تھی......دو دن سے پہلے اترتی نہیں تھی۔ اوپر اوپر

سے اتر بھی جائے تو سوکھے ہونٹوں کی درزوں میں جو چھپ کے بیٹھتی تو ہفتے بعد نکلتی جب دادی اپنے سوکھے ہونٹوں کے اوپر آیا چھلکا کھینچ کر اتارتی......پھر جلن سے بچانے کے لیے مکھن کا لیپ کر دیتی......مگر یہ سرخی وہ صرف خاندان کی شادی بیاہ والی تقریبات پر لگاتی......وہ بھی بہوؤں کے اصرار پر......اوپر اوپر سے۔

''نی چل رہن دے......ھن ایس عمرے میں بلیاں لال کراں......'' کی تکرار کے ساتھ۔

اگر چہ دانت چمکانے کے بہانے وہ ''داتن'' ملا کرتی تھی بلا ناغہ......اور جان کے دانتوں سے زیادہ ہونٹوں پہ ملا کرتی تھی۔ خوب رنگ چڑھتا مگر جو مزا سرخی سے ہونٹ لال کرنے کا ہے وہ ''داتن'' سے نسواری کرنے کا نہیں۔

جوڑی کے پاس ایک سے ایک سامان تھا میک اپ کا۔ کوثر اور راشدہ کے ساتھ ساتھ خود دادی کا دل بھی للچا جاتا ایک دن جب جوڑی نہا رہی تھی تو اس کے کمرے میں جھاڑ پونچھ کرنے اوپر گئیں اور چلیے سے ایک دو شیشیاں اٹھا لائیں۔ اب ان کی جانے بلا کہ یہ شیشیاں کس چیز کی ہیں مگر چونکہ سنگھار میز پر رکھی تھیں اس لیے یہ فرض کر لیا گیا کہ رنگ گورا کرنے والی وہی کریمیں ہوں گی جن کی کرشمہ سازی راشدہ کے چہرے پر دیکھی تھی۔ دوپہر کو جب سارا گھر ح یقیں کرا کے گیلے دوپٹے منہ پر رکھ کے سو رہا تھا تو دادی نے سب سے بڑی والی کریم نکالی۔ اس پہ ایک خاصی واہیات سی میم آدھے ادھورے کپڑے پہنے فحش سا پوز بنائے بیٹھی تھی۔

''در فٹے منہ۔''

اس لعنت کے بعد ایک اور گالی بھی دی گئی جو میم کے لباس سے زیادہ واہیات اور اس کے پوز سے زیادہ فحش تھی۔ اور دادی یہ گالی اکثر بہوؤں کو یا پڑوسیوں کو بھی بخش دیا کرتی تھیں۔ ان کی عمر کا لحاظ کر کے سامنے والے اس گالی کو مجبوراً پی جاتے......ویسے آدھ درجن ذرا کم واہیات گالیاں تو ہر وقت دادی کی زبان کی نوک پہ ہوتیں۔ اب اس میں بھی دادی کا کیا قصور......

جبلت سے زیادہ جینز اور خون کا اثر ہوتا ہے۔ اور دادی کے اندر ننکانے کے سکھوں کا خون تھا۔ جی ہاں۔ ان کے دادا گردھر نام اور گوبند سنگھ کے خاص چیلے اور سکھ برادری کے جانے مانے سرپنچ تھے......بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ کوئی کہتا ہے اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ کچھ کا کہنا تھا اسلام قبول کرنے کے پیچھے بھی گرو نانک کی محبت تھی۔ کیونکہ ننکانہ شریف تقسیم

کے بعد پاکستان میں رہ گیا تھا اور ان کو اپنے اس مذہبی استھان سے اتنی محبت تھی کہ چھوڑنے پہ تیار ہی نہ تھے اس لیے صرف ننکانہ شریف میں بسنے کی خاطر گرو کلجیت سنگھ سے کرامت حسین بھٹی ہوئے۔ مگر اس دلیل میں زیادہ دم نہ تھا۔ یہ کسی بدخواہ کی اڑائی گپ تھی کیونکہ اب بھی ننکانہ بلکہ پاکستان کے کئی علاقوں میں سکھ برادری بستی ہے اور بڑے طمطراق سے بستی ہے۔ ہاں تو ذکر خیر ہو رہا تھا گرو کلجیت سنگھ کا جو کہ بعد میں کرامت حسین بھٹی ہوئے۔ ان کے سکھ خون اور روایت کا اثر جو دادی میں بدرجہ اتم موجود تھا۔

زندہ دلی

مہمان نواز

سادہ لوحی

اور محنت کش ہاتھ پیروں کے ساتھ دو چیزیں اور بھی روایت میں ملی تھیں

ایک تو یہ کہ ان کے بارہ اکثر بج جاتے۔ اور دوسرا یہ کہ اپنی خاندانی روایات کے مطابق وہ ایسی ایسی گالیاں بڑی روانی سے دیا کرتیں جن کو ادا کرتے ہوئے مرد بھی ایک بار کے لیے ہچکچا جائیں۔

ان سے یہ اثر اولاد میں بھی آیا اور سہیل میں تو خاصا جم کے آیا......دادا جی جب اس کی بدزبانی سے خائف ہوتے اس کے ننھیال کو کوستے۔

''لعنتیا......سکھ نائلیاں دی نسل......گندی زبان والا۔''

خیر جی......دادی نے کریم کی شیشی پہ سجی فاحشہ کو گالیوں میں تولتے ہوئے انگلیاں بھر کے کریم نکالی۔ عجیب چپچپی نسواری سی کریم تھی۔ وہ منہ پہ ملی......کریم انگلیوں سے چپک چپک جائے خوشبو بھی عجیب میٹھی سی تھی......مکھن ٹافی والی چلو......کسی طرح اوکھے سوکھے ہوکے سارے منہ پہ مل لی......اس کے بعد دوسری شیشی کھولی۔ اس پہ بنی حسینہ کو گالی دینے کی نوبت نہ آ سکی......اس کا صرف کلوز اپ تھا اور آشا پاریکھ والے بال جمائے ہوئے تھے......بالکل وہی بیا کے گھونسلے جیسا جوڑا اور لمبا سا کنڈل آگے ڈالا ہوا۔

''ھا......بالوں کا تیل ہے۔''

''دادی نے ڈھکن احتیاط سے کھولا کہ تیل نیچے نہ گر جائے۔

''وڈے عقلاں والے انگریز..... اتنے وڈے منہ والی شیشی میں تیل..... تیل تے تنگ موری والی شیشی میں ہونا چاہئے کہ وگ (بہہ) نہ جائے..... اوئے ایہہ کی؟..... ڈھکن کھولنے پہ دیکھا کہ بے رنگ و بو تیل جما ہوا تھا..... بالکل جھلی کے جیسا۔

''تیل جم گیا؟ اتنی گرمی میں؟ خیر..... باہر کا تیل ہے..... ولایتی..... جما ہوا ہوگا۔''

دادی نے پھر سے انگلیاں بھری اور گت کھول کے مل مل کے بالوں میں جما ہوا تیل لگایا۔

خوب چمپی کی اور پھر دروازے کا کواڑ بھیڑ کے لیٹ گئی کہ دو گھنٹے دونوں کریموں کا اثر ہو..... بعد میں باندھی جائے گی گت۔

باقی سب کی طرح دادی نے بھی دوپٹہ گیلا کر کے نچوڑا اور منہ پہ پھیلا کے خراٹے بھرنے لگی۔

یہ دوپٹہ گیلے کرنے میں بھی ایک سائنس تھی..... ہلکا ہلکا نم دوپٹہ منہ پہ..... اور پنکھے کی ہوا جب اس میں سے چھن کے آتی تو اندر تک ٹھنڈ پڑ جاتی۔

دو گھنٹے گزرے..... منہ کی جلد پہ اینٹھن ہونے سے آنکھ کھلی۔

''ہائے ہائے..... میرا منہ۔''

دادی سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

''نی مینوں لقوہ تے نئیں مار گیا''

مگر اس کی دہائی کون سنتا..... منہ پوری طرح کھل ہی نہیں رہا تھا..... آواز کیا نکلتی..... بھاگم بھاگ غسل خانے تک گئی اندر کوثر ذلیل بیٹھی تھی اور وہ جب جاتی..... ایسا بیٹھتی کہ نکلنے کا نام نہ لیتی..... دادی نے دونوں ہاتھوں سے لوہے کا دروازہ پیٹ ڈالا..... ساتھ ساتھ مسلسل دہائی بھی جاری تھی۔

''نی باہر نکل نی..... کنی واری کہا ہے اتنا لمبا نہلانا ہوتا ہے اپنا مردہ تو ادھر کھرے میں منجیاں کھڑی کر کے نہا مر لیا کر..... باہر نکل..... ویکھ تے سہی میرا کی بنیا''

اگرچہ کوثر کو اس دہائی کے الفاظ پوری طرح سمجھ میں آرہے تھے مگر ظاہر ہے آواز سمجھ میں آگئی تھی کہ اس کی جلالی ساس کی ہے اور ساس اب اس قدر جلال میں ہے کہ الفاظ بھی صحیح طرح سے نہیں ادا کر پا رہی۔

جیسے ہی کوثر باہر نکلی۔ اس کی اپنی چیخ گلے میں گھٹ گئی۔ یوں تو اس کی ساس عام حالات میں بھی کم خوفناک نہیں تھی مگر اس وقت تو حد سے زیادہ بھیانک لگ رہی تھی۔ سرمئی کیچڑ منہ پہ تھوپے ہوئے..... بے شمار جھریوں کے ساتھ سر کے بالوں کی مہندی رنگی لٹیں اکڑ کے رونگٹوں کی طرح کھڑی تھیں۔

''ہائے اماں جی..... چھل پیری''

کوثر نے دلدوز چیخ مار کے ڈرتے ڈرتے سامنے کھڑی چھل پیری کے مڑے ہوئے پیروں کی طرف دیکھا مگر یہ دیکھ کے تسلی ہوئی کہ مڑے ہوئے پیروں والی اعلیٰ گریڈ کی چڑیل نہیں تھی۔ کوئی چھوٹا موٹا پرچھاواں تھا۔ جس کی ابھی اتنی ترقی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے پیر موڑ کے پیچھے کر دیئے جاتے اور جب پیروں میں پھنسی قینچی چپل پر غور کیا اور بائیں انگوٹھے پہ جو ہلدی چونے کا لیپ تھا۔ ناخن کا زخم ٹھیک کرنے کے لیے..... اس سے شک سا ہوا کہ یہ اس کی ساس تو نہیں خدانخواستہ..... مزید تسلی کے لیے غور کیا۔ چھینٹ کی چوہے رنگ کی قمیص۔ اس پہ ہرے رنگ کی بیلیں دامن پہ..... چاک ذرا سا پھٹا ہوا..... بٹن دو کھلے دو بند..... وہی گردن پہ ایک لائن کے ساتھ تین موکے۔

''اماں جی..... تسی او۔''

تصدیق طلب کرنے پہ اماں جی نے اسے زور کا دھکا دے کر پرے کیا۔ غسل خانے گھسی اور رگڑ رگڑ کے کریم اتارنے لگی۔ مگر وہ گوند کی طرح چہرے سے چپک گئی تھی۔ سارا حمام خالی کر دیا۔ کریم نہ اتری منحوس..... اب تو جلد کھرچنے کی وجہ سے دکھنے لگی تھی۔ تنگ آ کے اس نے رونا دھونا مچا دیا۔ سارا گھر اکٹھا ہو گیا۔ ہر کوئی اس کی حالت پہ پریشان کم حیران زیادہ تھا۔

''نی توں جھوٹا قرآن تے نئیں چک لیا؟''

اس کی سمدھن..... راشدہ کی ماں نے قیاس آرائی کی..... کہ شاید جھوٹا قرآن اٹھانے یا جھوٹی قسم اٹھانے کی وجہ سے اللہ نے ایسی لعنت ڈال دی ہو چہرے پر۔

جواب میں دادی نے اپنی نسل در نسل چلتی آرہی میکے کی سوغات گالیوں سے نوازا۔

اب اصل بات بتانی ہی پڑی..... چاہے شرمندہ ہو کے سہی۔ ظاہر ہے اس عذاب سے نجات بھی حاصل کرنی تھی۔

جوڑی کو بلایا گیا کہ اس کے کمرے سے اٹھائے سامان نے یہ درگت بنائی ہے وہی سد باب بھی کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ سارا گھر لعنتیں ڈالنے میں بھی پیش پیش تھا۔

''شودی رہیں ساری عمر......بڈھے ویلے بھی حرکتیں نہ چھوڑیں......''

دادا جی نے دل کی بھڑاس نکالی۔

''حد ہے اماں......جوان نوووں (بہوؤں) کے سامنے یہ حرکتیں؟''

یہ اشرف تھا۔

''اماں جی......میرے سے پوچھ لیتی۔ کیسے لگانا ہے۔ یہ حال تو نہ ہوتا۔''

راشدہ نے قابلیت جھاڑی۔

کوثر البتہ چپ تھی......وہ پچھل پیری کہہ چکی تھی اسے اب اور کیا کہتی۔

جوڑی کی بھی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی......اس نے وہ شیشیاں طلب کیں تو پتا چلا کہ بالوں میں اس نے جما ہوا تیل نہیں ہیئر جیل لگائی تھی۔ اور چہرے پر ویکس لگائی تھی۔

''یہ ہے کیا بلا۔''

اشرف کے پوچھنے پہ اس نے انگریزی میں کچھ بتایا پھر پلے نہ پڑنے پر مزید سمجھانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اس نے کوثر کی سلائی مشین پہ رکھا بکرم کا ٹکڑا اٹھایا دادی کے منہ پہ رکھ کے دبایا اور ایک جھٹکے سے کھینچ لیا۔ ادھر چہرے سے ویکس نکلی......ادھر دادی کے منہ سے چیخ نکلی۔ اور ادھر اس چیخ کی دہشت سے گھبرا کے باقی سب کمرے سے نکلے۔ دادی کے شور مچانے کے باوجود......ہاتھا پائی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جوڑی نے باقی کی ویکس بھی اسی طرح اتاری۔ ساتھ میں اس کے چہرے کا سرمئی رواں بھی اترا......دادی کا درد کم کرنے کے لیے جوڑی نے اسے آئینہ دکھایا اور لگی انگریزی بگھارنے......اسے یہ یقین دلانے کے لیے کہ وہ اب کتنی حسین لگ رہی ہے اس کی جلد کتنی صاف شفاف اور ملائم لگ رہی ہے۔

''یو آر لکنگ سو کیوٹ......سو فریش......سو ینگ۔''

''کی؟''

''آئی فیل......یو......یو''

جوڑی نے انگشت شہادت دادی کے سینے پر رکھ کے جملہ مکمل کیا۔

''یو......''

اور دادی کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ جوڑی کے منہ سے وہی گالی سن کے جو اس نے ویکس کی شیشی پہ بنی واہیات ناکافی لباس اور فحش پوز والی عورت کے لیے منہ سے نکالی تھی۔

''نی......کی کہیا؟''

دادی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا......

اپنی سماعت پہ دھوکے کا گمان ہوا اس لیے تصدیق چاہی۔ جوڑی نے مسکرا مسکرا کے وہ گالی دھرادی......اب دادی نے دوہتڑ مارے اپنے سینے پہ......چارہتڑ مارے جوڑی کے تھوبڑے پہ اور وہ ہلا مچایا کہ گھر تو گھر محلہ اکٹھا کرلیا۔

''میم نے مجھے گالی کڈی۔''

مگر اس کے رونے دھونے پہ کسی نے یقین نہ کیا۔

''او جان دیو اماں جی......اس نے پتا نہیں انگریزی میں کیا کہا ہوگا۔ آپ کو کونسا سمجھ آتی ہے۔''

''انگریزی میں نہیں۔ پنجابی میں۔ وہ والی۔''

اس نے گالی دھرائی......سب کے رونگٹے ایک لمحے کے لیے کھڑے ہو گئے......سرفراز تو بلبلا اٹھا۔

''اماں جی......پندرہ دن میں اس نے ہاں جی ناں جی کے علاوہ کچھ نہیں سیکھا......آپ یہ کیا الزام لگا رہی ہیں۔''

''پچھ لے اس سے......اس نے مجھے کیا کہا ہے؟''

جوڑی دروازے سے لگی سہمی کھڑی تھی۔ اس کی سمجھ میں یہ سارا قصہ نہیں آرہا تھا۔ مگر اتنا اندازہ ہو رہا تھا کہ کچھ بہت غلط بہت سنگین ہوا ہے......شاید سہیل نے اسے جو اکا دکا اردو اور پنجابی کے لفظ سکھائے تھے ......ساس سسر کے دل جیتنے کے لیے ان کو وہ صحیح طرح سے یاد نہیں کر پائی۔ اس نے وہ لفظ غلط بول دیا جو کہ بقول سہیل کے بیوٹی فل کو پنجابی میں کہتے ہیں۔ ضرور اس نے غلط بول کے سارا مفہوم بدل دیا ہے......بدصورت کہہ دیا ہے......مصلحت اسی میں ہے کہ اپنی انگریز نسل کی روایات پہ عمل کرتے ہوئے کئے کرائے سے ہی مکر جائے اس لیے جب سرفراز نے سارا واقعہ دریافت

کیا تو اس نے بھولپن سے کہہ دیا کہ میں نے صرف ''ریلیکس'' کہا تھا۔

اب دادی لاکھ واویلا مچائے کس نے یقین کرنا تھا۔سہیل تلملا کے رہ گیا۔

کتنی مشکل سے یہ گالی جوڑی کی زبان پہ چڑھی تھی۔ پھر کچھ سوچ کے شکر بھی ادا کیا کہ اچھا ہوا جوڑی مکر گئی ورنہ اس کا نام لے لیتی ..... تو؟

''اچھا تو یہ جوڑی اس سرمئی لچیلی کریم سے بال مونڈتی ہے پنڈلیوں کے۔''

بعد میں کوثر اور راشدہ لگیں کھسر پسر کرنے۔

''قیامت والے دن اس کی پنڈلیوں پہ گرم چمٹے مارے جائیں گے۔قبر میں دیکھنا کیا عذاب اترتا ہے۔''

''ہائے ہائے ..... میں کیوں اس کی قبر میں جھاتیاں ماروں؟''

کوثر نے راشدہ کے ڈرانے پہ جھرجھری لی۔

''ویسے راشدہ اماں نے تو منہ سے اتارے ہیں بال۔ان کے منہ پہ لگیں گے گرم چمٹے!''

''نہیں ..... بھول بھلیلے لگ جانے سے اللہ سزا نہیں دیتا۔اماں نے کون سا جان کے کیا ہے۔''

راشدہ نے ذرا مایوسی سے کہا۔

''ہاں ..... پر چوری تو جان کے کی ہے۔ چوری کے دو چمٹے تو بنتے ہیں۔''

کوثر کی بات سے ذرا تسلی بندھی۔

''آہو ..... دو کو تو بنتے ہیں۔''

دادی کو وہ ساری رات نیند نہ آئی۔ ایک جانب کروٹ بھرتی تو وہی گالی ..... وہی جوڑی کی مسکراہٹ ..... وہی اس کی انگلی ..... دوسری جانب کروٹ لیتی تو وہی گالی اور .....

''سارے جو مرضی کہیں میں بڈھی ضرور ہو رہی ہوں مگر ابھی بہتری تہتری نہیں گئی ..... میرے بارہ ضرور بجتے ہیں مگر تیرہ نہیں بجتے جو مجھے سمجھ نہ آئے۔ اس نے مجھے گالی ہی نکالی تھی۔''

دادی کے دل میں جوڑی کے لیے نفرت انتہائی پختہ ہوگئی اور ساتھ ساتھ سرفراز کے لیے شکایت بھی ..... کہ ماں رو رو کے یقین سے بات کر رہی ہے مگر وہ بیوی پہ الزام برداشت ہی نہیں کر پا

رہا اسے ماں کا نہیں بیوی کا زیادہ یقین ہے۔

ایک دو دن اسی سرد مہری میں گزر گئے۔

دادی نے صبح صبح نہ تو سرفراز کے لیے بلوں والے پراٹھے بنائے ..... نہ شام کی چائے کے ساتھ گڑ کے پورے اور سوجی کا حلوہ ..... نہ وعدے کے مطابق اوجھڑی بھون کے دی۔ نہ جوڑی کو رنگ محل کے بازار چوڑیاں پہنوانے لے کے گئی۔ نہ اپنی پرانی سہیلی بختاں کے ہاں لے کے گئی۔ جوڑی کو گلی محلے میں پھرتی گائے بھینسیں دیکھ کے بہت حیرت ہوتی تھی اور جب سے سرفراز نے یہ بتایا تھا کہ ابھی بھی بہت سے لوگ ان کا گوبر بطور ایندھن استعمال کرتے ہیں تو وہ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے مچل گئی تھی۔

''آخر ہے ناں ذات کی چوڑی، گوں بھی کوئی ایسی چیز ہے جسے دیکھنے کے لیے کوئی آپے سے باہر ہو رہا ہے۔ نی صبر کر ..... بختاں کے گھر لے جاؤں گی تجھے۔ اس کے ویہڑے میں آٹھ نو گاواں اور گیارہ مجاں ہیں۔ دو ترے کٹے بھی ہیں۔ رج کے دیکھ لینا۔''

اس زمانے میں ابھی شہر کی حدود سے مویشیوں کا انخلاء شروع نہیں ہوا تھا۔ ہر گلی میں ایک آدھا گھر ایسا تھا جس کے آنگن میں بندھی گائے بھینسوں کا دودھ پڑوسیوں کو سپلائی ہوتا تھا۔ ہر دوسرے گھر میں مرغیاں کڑکڑاتی پھرتیں اور وہ پہلا گھر جو دیسی مرغیوں سے محروم تھا اس گھر کی کوئی بچی صبح صبح دوسرے گھر جا کے وہاں کی مالکن کو اٹھنی پکڑا کے دو انڈے ضرور لے کے آتی۔ اسی بختاں کے گھر کی سیر کسی ونڈر لینڈ کی طرح کرا کے لانی تھی دادی نے جوڑی کو ..... مگر اب تو اس کا دل میم سے کھٹا ہو چکا تھا۔ کوثر اور راشدہ احتیاطاً اس سے کھنچی کھنچی سی تھیں کہ جب ساس کا موڈ ہی اس سے خوشگوار نہیں ہے تو وہ خوامخواہ ہنس بول کے ساس کی نظر میں کیوں بری بنیں ..... بے چاری جوڑی اوپر والے کمرے میں اداس سی اکیلی پڑی تھی ..... سرفراز ٹکٹوں کا انتظام کرنے گیا تھا۔ ان کا ارادہ اگلے ہفتے واپسی کا تھا۔ تبھی سہیل اپنی ٹیوشن دینے اوپر آ گیا۔

پہلے تو بھابی کی خدمت میں ریگل چوک کی فروٹ چاٹ اور ہیذن روڈ کی آئس کریم پیش کر کے اس کا موڈ ذرا ..... بلکہ خاصا خوشگوار کیا گیا پھر اسے تسلی دی گئی کہ وہ بالکل محسوس نہ کرے جب وہ یہاں سے رخصت ہوگی تو گھر کے ایک ایک بندے کے دل میں جگہ بنا چکی ہوگی۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کے ساتھ ان کی زبان میں چھوٹی چھوٹی باتیں کیا کرے ..... سارا مسئلہ اس

زبان کا تو ہے جس کی وجہ سے یہ فاصلے ہیں۔

سہیل اپنی ٹوٹی ہوئی بلکہ لولی لنگڑی انگریزی میں یہ باتیں جوڈی کو کیسے سمجھاتا تھا وہ ایک الگ تفصیل طلب باب ہے۔ بہر حال کچھ this اور کچھ that ...... کچھ I am اور کچھ you کچھ good اور کچھ bad کچھ love اور کچھ hate کی مدد سے اور باقی سب کچھ ہاتھ کے اشاروں کی مدد سے اس نے جوڈی کو اس بات پر تیار کر ہی لیا کہ وہ دل چھوٹا نہ کرے نہ ہمت ہارے اردو اور پنجابی اتنے بھی مشکل نہیں ہیں۔ بہت سے لفظ تو پنجابی، اردو اور انگلش میں ایک ہی جیسے ہیں۔

جیسے گلاس...... جیسے کوکا کولا...... جیسے آنٹی...... جیسے پلیٹ...... جیسے کولر...... جیسے ٹی وی...... جیسے فریج...... باقی سب وہ تھوڑا تھوڑا سکھا دیتا ہے۔ کم از کم اتنا کہ وہ جاتے جاتے اپنے دل کی بات سب کو کہہ سکے اور جو وہ جواب میں سنائیں ان کو سمجھ سکے۔

اس دن جوڈی نے بڑے دل سے اس سے کلاس لی اور سب باتیں ذہن نشین کر لیں۔

اس سے اگلے دن ریہرسل ہوئی اور سہیل نے او کے کر دیا۔ اور تیسرے دن وہ تاریخی واقعہ پیش آیا جس سے......

''اماں...... میری واپسی کی سیٹ ہوئی ہے۔''

سرفراز نے ماں کے گھٹنے تھامے ہوئے کہا جو اس دن کی گالی والی بات سے ابھی تک ناراض تھیں۔

''ہیں؟ کب جا رہا ہے؟''

''اگلے جمعے۔''

دادی آنسو پونچھنے لگی۔ لاکھ ناراضگی سہی۔ بیٹے سے جدائی کا غم اپنی جگہ۔

''اوھو...... اماں روتی کیوں ہو؟ آتا جاتا رہوں گا...... بلکہ میرے کاغذ پکے ہو جائیں...... تجھے اور ابے کو بھی بلاؤں گا پاس۔''

''ولایت؟''

''ہاں...... اپنے پاس...... ولایت۔''

تب تک حالات سنوارنے کی کوشش ہو رہی تھی اس لیے آتے جاتے رہنے کے وعدے بھی ہو رہے تھے اور پاس بلانے کے عزائم کا اظہار بھی ہو رہا تھا۔

''تیری زنانی مجھے رکھے گی؟''

''جوڈی بہت اچھی ہے اماں۔ اس کا دل بڑا صاف ہے۔''

''زبان تے بڑی گندی اے...... اس دن مجھے گالی۔''

''اوھو...... بس رہنے ہی دو اماں۔ وہ کوئی غلط فہمی تھی۔ بھول جائیں اسے۔ آپ نے بھی اسے کتنا برا بھلا کہا...... اور رتو اور اس پر ہاتھ تک اٹھا لیا۔ وہ تو سب بھلائے آپ لوگوں کے لیے تحفے تحائف لے رہی ہے۔''

''ہیں؟ تحفے؟''

''حالانکہ وہ آتے ہوئے بھی تحفے لائی تھی۔ اب جا رہی ہے تو اس کا حق بنتا ہے اور آپ سب کا فرض بھی...... کہ اسے تحفے دے دلا کے رخصت کریں۔ خیر۔ کم از کم اتنا کر دیں کہ اس سے سیدھے منہ بات کر لیں۔''

سرفراز کی خواہش تھی...... تین چار دن ہیں اس کے جانے میں...... سب معاملات ہنسی خوشی سیٹ ہو جائیں۔ وہ اور جوڈی سب کے لیے تحفے بھی لے آئے تھے۔ رات کے کھانے پہ دادی نے بھی سب گلے شکوے بھلا کے اپنے ہاتھ سے تمنجن بنایا...... پالک گوشت اور توے والی مچھلی...... شامی کباب راشدہ نے سل پہ خوب دل لگا کے پیسے...... کوثر کو جان بوجھ کے چولہے کے پاس نہ پھٹکنے دیا گیا کہ اس کا ہاتھ سخت بدذائقہ تھا۔ پلاؤ بھی پکاتی تو کھانے والے کے منہ میں کھچڑی کا ذائقہ آتا۔

کھانے کے بعد اشرف کنجوس کے لائے پان کا دور چلا۔ سہیل نے موج میں آ کے سب کو ٹھنڈی ٹھار ٹھاہ والی گولی بوتل سوڈا پلانے کا اعلان کیا مگر اس کے پیسے بچ گئے۔ کیونکہ اس سے پہلے کہ وہ جیب ڈھیلی کرتا اور ٹھاہ ٹھاہ سوڈا پلا کے سب کے معدوں میں ڈرون حملے کراتا۔ وہ ایٹم بم پھوٹ گیا۔

''جوڈی سب سے پہلے ابا جی کو تحفہ دو۔''

سرفراز نے بیوی کی واہ واہ کرانی چاہی۔

جوڈی مسکراتے اتراتے اٹھی اور لفافے سے ریشمی کرتے کا کپڑا نکال کے دادا جی کے کاندھوں پہ پھیلایا۔

''واہ جی واہ...... ابا جی تے سج گئے۔''

اشرف نے داد دی۔

اس کے بعد جوڑی نے دادی کی خدمت میں کریم کی شیشی پیش کی......نہ ویکس کی......نہ تبت سنو کی......بلکہ ولایتی nivea کی۔ پھر راشدہ اور کوثر دونوں کو جاپانی سلک کا سوٹ......ان کے بچوں کے لیے نقی مارکیٹ سے لیے فراک اور نیکر سوٹ......چابی والے کھلونے۔ اشرف اور سہیل کے لیے بھی سوٹ کا کپڑا۔

اب سب نے خوب گھٹ گھٹ کے جوڑی کو گلے سے لگایا اور پھر دھماکا ہو ہی گا۔

جوڑی نے دادی کے گلے لگتے ہی فرطِ جذبات سے مچل کے کہا۔

''یو کمینی چوڑیل''

دادی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے ایک جھٹکے سے خود سے الگ کیا۔ باقی سب بھی بے یقینی سے دیکھ رہے تھے وہ چٹا چٹ دادی کے گالوں کے بوسے لیتے کہہ رہی تھی۔

''چوڑیل......چوڑیل''

اس کے بعد ہکا بکا کھڑے دادا جی کے پاس جا کے سر جھکا کے ادب سے کہنے لگی۔

''آئی ول مس یو کالا کوا۔''

کوثر کے دونوں لڑکے اجمل اور اکمل ٹھٹھا مار کے ہنس پڑے۔ کوثر نے انہیں چپ کرانے کے لیے بہتری ''شش......شش'' کی مگر وہ لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

''سرفراز......دیکھ پتر۔ تیری زنانی مجھے کیا کہہ رہی ہے۔''

دادا جی نے حیران پریشان کھڑے سرفراز کو کہا تو وہ سکتے سے نکلا اور جوڑی کو اندر لے جانے کے لیے بڑھا۔

''کم آن جوڑی......سٹاپ اٹ۔''

مگر اب جوڑی بے تحاشہ ہنستے ہوئے اکمل اور اجمل کو پوچھ رہی تھی۔

"What Happend"

اور جواب نہ ملنے پر اشرف سے ہاتھ کے اشارے اور لنگڑی اردو سے کہنے لگی۔

''اشرف بائی جھان، کیا ہوا۔ آپ کا کتو راز کو۔''

''کیا؟'' اشرف آگ بگولا ہو گیا۔

''اکمل اجمل۔ your کتو راز۔''

اشرف کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا اور سرفراز کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

''میرے بچوں کو کتے کے بچے کہہ رہی ہے۔ کتورے بنا ڈالا۔ سرفراز۔ ایہہ لے پھڑ اپنا تحفہ۔''

اشرف سوٹ سرفراز کے منہ پہ مار کے دھپ دھپ کرتا اندر چلا گیا۔

جوڑی حیرت سے مڑی۔

''سرفراز تمہارا الاتی (لعنتی) برادر......''

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی۔ سرفراز نے آگے بڑھ کے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

اس کی حیرت سے بھری آنکھیں مزید کھل گئیں۔ اسے لگا سرفراز اسے مارنے لگا ہے وہ پھر پھڑانے لگی۔

''لگتا ہے تیری زنانی دارو پیتی ہے؟''

دادی نے قیاس ظاہر کیا۔

''اس دن بھی چسکیاں لگائی ہوں گی......اسی لیے مجھے گندی گالی دی......مگر تو نہ مانا۔ اب یقین آیا کہ کیسی گندی زبان ہے اس کی۔''

''جوڑی۔ اوپر چلو۔''

سرفراز اسے کھینچتا ہوا اوپر لے جا رہا تھا۔ وہ بھرپور مزاحمت کر رہی تھی کیونکہ یہ سارا معاملہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اپنی دانست میں تو اس نے اچھی بہو بننے کی پوری کوشش کی تھی پھر سرفراز اسے مارنے اور کمرے میں لے کے قید کرنے کے درپے کیوں ہے اس کے شور مچانے پہ سرفراز نے سیڑھیوں کے عین درمیان اس پہ ذرا گرفت ڈھیلی کی......

راشدہ کو پتا نہیں کیوں لگ رہا تھا کہ کچھ گڑ بڑ ہے اور......جوڑی کے ساتھ کچھ ہاتھ ہوا ہے وہ اس کی ہمدردی میں پانی کا گلاس لیے سیڑھیوں تک گئی۔

''سرفراز پائی......اسے پانی دو......اس کا سانس پھول رہا ہے......پھر آرام سے اندر لے جا کر بات کرنا۔''

سرفراز کے ہاتھ سے پانی لے کے جوڑی وہیں سیڑھیوں پہ بیٹھ کے غٹاغٹ چڑھانے لگی۔

''آن دے سہیل کو۔ اس راشدہ کا تو مکو ٹھپتی ہوں۔ وڈی ھینجلی...... کیسے پانی لے کے گئی ہے نگی کے لیے...... چھچی۔''

دادی نے دانت کچکچا کے کہا۔

اور جیسے ہی جوڈی نے راشدہ کو گلاس واپس کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا...... سب کے ہاتھوں کے طوطے، کبوتر، چڑیاں سب پچھ اڑ کے پھر ہوگیا۔ راشدہ کے ہاتھوں سے گلاس گر گیا۔

...... کیونکہ جوڈی نے شکریہ اپنی مادری زبان میں نہیں بلکہ اپنے تئیں پنجابی یا اردو میں ادا کیا تھا۔ مگر اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ وہ گھر بھر کے سامنے منہ پھاڑ کے کتنا نازیبا اور معیوب لفظ ادا کر چکی ہے۔

ذرا حواس قابو میں آتے ہی راشدہ نے سرفراز کے سامنے شرم محسوس کرتے ہوئے دوپٹے کا پلو منہ پہ ڈالا اور بگٹٹ اندر بھاگی۔ دادا جی دل پہ ہاتھ رکھے بیٹھ گئے۔

''بڑا کہتا تھا میم لا رہا ہوں۔ اک حور سکھنی آ گئی۔ گند بکنے والی۔''

☆☆☆

قصہ ختم۔

دادی ان سب کو 1978ء سے واپس لے آئی تھی۔

نئی لہری سے ہمیش ریشمیاں کے زمانے میں۔

ہیلن سے ملکہ شراوت اور ملائکہ اروڑا کے دور میں۔

لیلیٰ میں لیلیٰ...... ایسی میں لیلیٰ...... ہر کوئی چاہے مجھ سے ملنا ''اکیلا''...... سے

''منی بدنام ہوئی'' اور ''جلیبی بائی تک......''

راجیش کھنہ سے ہرتیک روشن تک۔

اور ممتاز سے کرینہ کپور تک۔

سب منہ کھولے سن رہی تھیں اور دادی کے پوپلے منہ پر دبی دبی سی مسکراہٹ تھی...... جیسے کسی بچے کی شرارت پہ ماں پہلے اسے اوپر اوپر سے خوب لتاڑے اور بعد میں دوپٹے میں منہ چھپا کے مسکرائے۔

''تو یہ تھا سارا قصہ۔''

روبینہ نے منکا سا سر ہلایا۔

''میں تو پہلے فریحہ سے کہہ رہی تھی کہ دیکھ لینا یہ تیرے ہی ابا جی کا کوئی کارنامہ ہوگا۔''

مسرت نے اپنی قیافہ شناسی کی داد چاہی البتہ فریحہ سر جھکائے شرمندہ سی بیٹھی تھی۔

ارم الگ تاؤ کھا رہی تھی۔

''آنے تو دو میم چاچی کو...... میرے ویروں کو کتورے بولا اس نے۔''

''بتا تو دیا ہے...... اس وچاری کا قصور نہیں ہے وہ تو جب اس کے منہ سے واہیاتی سن کے سرفراز نے لگایا ایک دیپا تو وہ رو رو کے سہیل کو مدد کے لیے بلانے لگی۔ اوپر سے سہیل غائب۔ اب ہوں تو میں ماں...... اپنی اولاد کا سب سے زیادہ ماں کو ہی پتا ہوتا ہے۔ مجھے پکا یقین ہوگیا کہ یہ تیلی سہیل نے لگائی ہے...... میں نے بھیجا اشرف کو...... مجھے پتہ تھا سہیل کدھر ہوگا۔

''یعنی آپ نے تاؤ جی کو بھیجا کہ ابا جی کو پکڑ کے لائیں۔''

''نہیں، میں نے اس لیے بھیجا اشرف کو کہ وہ سہیل کو خبردار کر دے کہ سرفراز کو سارا کچھ پتا چل گیا ہے وہ کہیں نہیں جائے۔ جمعے تک نہ آئے۔''

''اوہ...... میں بھی کہوں آپ اتنی انصاف پسند کب سے ہوگئیں۔''

ارم بڑبڑائی۔

''پر سہیل اشرف کے ہاتھ نہ لگا۔'' آ گیا شامی گھومتا گھماتا اور سرفراز کے ہتھے چڑھ گیا۔

''واہ جی...... فیئر تے سرفراز چاچا جی نے سہیل چاچا جی کی بری شامت لائی ہوگی۔''

روبینہ نے چسکارا بھرا۔

''بس میری غلطی، جوڈی کی ضد میں اس میم نوں کی چڑ میں میں نے سہیل کی طرف داری کی اور سرفراز رُس گیا۔ جمعے کی بجائے اسی دن گھر سے نکل گیا۔ ہورے کسی ہوٹل میں رہا۔ پھر تب کا گیا۔ آج آ رہا ہے خیر سے۔''

''ویسے دادی۔''

روبینہ ذرا اور پاس کھسکی۔

''ایک بات تو بتائیں؟''

''ہن کی اے؟''

دادی اس کی قربت سے ذرا مشکوک ہوئیں......عام حالات میں وہ کہاں اتنا منہ لگاتی تھی دادی......ساس کو۔

''آخر جوڑی چاچی نے راشدہ چاچی کو کیا کہا تھا؟''

''تیرا سر۔''

دادی کو جلال آ گیا۔

''لعنت میرے تے۔ جس نے تم شوہدیوں کو اتنا بڑا راز بتا دیا۔ اب چسکے لے رہی ہو۔ میں نہیں بتانے والی...''

پھر ذرا سا سنجیدہ اور بہت سا رنجیدہ ہو کے کہنے لگیں۔

''ویسے بھی وہ دن تے آج کا دن میں نے اپنی زبان صاف کر لی ہے۔ سرفراز نے اس دن غصے میں جو کچھ کہا وہ مجھے برا تو بڑا لگا۔ میں نے اسے بڑی لعنتیں دیں کہ دفع ہو۔ اپنے خاندان اپنی نسل کو برا کہتا ہے۔ اپنے ماں پیو کی تربیت میں کیڑے نکال رہا ہے۔ مگر بعد میں اس کی باتیں یاد آئیں تو سوچا صحیح ہی تو کہتا تھا وہ کہ'' کی فیدہ ہمارے پنج وقت وضو کرنے کا۔ زبان تو پلید رہتی ہے ہر ویلے گالیاں نکال نکال کے۔ بندے کے اندر سے شرم و حیا اور غیرت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ غربت رہتی تو سہیل بھابی کو ایسی واہیات باتیں کیوں سکھاتا۔ مذاق مذاق میں ہی سہی۔ غلطی میری تھی، ماں کے اپنے اندر نقص ہوں تو اولاد کو کیا چج دے گی......میں نے ہمیشہ اپنی نسل در نسل سیکھی گالیوں پر فخر کیا تھا۔ کہ میرے آگے لڑائی میں کوئی ٹک نہیں سکتا۔ ایسی ٹکر ٹکر سے گال نکالتی ہوں......پھر جب سہیل نے میرے سے سیکھ کے گالیاں نکالنا شروع کیں تو میں کس منہ سے روکتی۔ ہاں......پر اس واقعے کے بعد میں نے اور سہیل دونوں نے بدزبانی چھوڑ دی......اور نہ آگے سے بچوں کو سیکھنے دی۔''

''ہائے ہائے تے فیئر میرے بندے کے منہ میں زہر کون ڈال گیا؟ وہ تو مجھے دن رات گالیوں میں تولتا ہے''

روبینہ نے دھائی دی تو دادی نے چٹکی سی بھری۔

''کچھ لوگ ہوتے ہی اس قابل ہیں کہ ان کو دیکھ کے بندہ قسم بھی توڑ دے۔ نی روبینہ...... تیرا گالیوں کے علاوہ بھی کوئی علاج ہے؟''

''ابا جی......میں نے بکواس کی تھی ناں کہ اِدھر دیر لگتی ہے......تُسی نہ آؤ۔''

اشرف نے چیں بہ چیں ہوتے ہوئے کہا۔

دادا جی نے بھی تو پچھلے ڈیڑھ گھنٹے میں ناک میں دم کر رکھا تھا۔ کبھی انہیں باتھ روم جانا ہوتا......کبھی پانی پینا ہوتا......کبھی پھر سے باتھ روم جانا ہوتا......کبھی ٹانگیں لٹکا کے بیٹھنے سے پیروں میں سوئیاں چبھنے لگتی......کبھی ایک بار اور باتھ روم جانا ہوتا......کبھی کمر پر خارش شروع ہو جاتی اور ہاتھ کھجانے کے لیے وہاں نہ پہنچ پا رہا ہوتا......کبھی پھر سے باتھ روم جانا ہوتا......اور کبھی......کبھی بس باتھ روم ہی جانا ہوتا۔

''اوئے۔ ہوئے کی مصیبت اے۔ فیر سے باتھ روم''

ابا جی کے ایک گھنٹے میں آٹھویں بار باتھ روم جانے کی فرمائش سُن کے تاؤ جی اشرف بھنا کے رہ گئے۔

''منع بھی کیا تھا نہ جوس پہ جوس چڑھاؤ......پہلے انار کا جوس، پھر سیب کا جوس......اب سنگترے کا جوس......جوس پہ جوس ڈالے جا رہے ہو اندر اور میری دوڑیں لگائی ہوئی ہیں......اب میں آپ کو لیٹرین لے کے جاؤں یا سامنے نظر رکھوں......جہاز اتر گیا ہے......سرفراز سامان لے کے باہر نکلے گا تو پریشان ہو جائے گا کہ وہ سامان ادھر ہی نہ بانٹ دے لوگوں میں، تھوڑ دلے......جو بھی لایا ہے ولایت سے وہ......لے کر گھر ہی آئے گا......''

دادا جی نے زہر اگلا۔

ان سے کھڑا بھی نہ ہوا جا رہا تھا......کبھی ایک ٹانگ پر وزن ڈالتے کبھی دوسری ٹانگ پہ۔

''چل......لے چل مجھے......فیر نہ کہیں اگر اِدھر ہی خطا ہو گیا تو؟''

''اوئے ہوئے......''

تاؤ جی اس دھمکی یا وارننگ پہ تڑپ اٹھے۔

''چلو فیر......''

اور احسان جتانے کے انداز میں انہیں لے کر نویں بار واش رومز کی جانب بڑھے۔

''اتنی دفع لے کے گیا ہوں۔ ابھی تک راستہ یاد نہیں ہوا۔ جہاں ہم کھلوتے تھے۔ وہاں سے سیدھا آگے جا کے دوسرا موڑ لو تو یہ سامنے غسل خانے ہیں۔''

س نے دور سے ہی اشارہ کر کے دکھایا۔

''وہ دیکھو سامنے...... جہاں چائے کا سٹال لگا ہے۔''

''ھلا...... ھلا...... پتا ہے...... آج بڑ بڑ کرنے لگا ہے...... سارے رستے پیو نے ہی بتائے ہیں تجھے۔''

اتنے میں سرفراز کی فلائیٹ آنے کی اناؤنسمنٹ ہونے لگی...... اشرف کو پے پسوڑی گئی......

''چلو...... آگیا جہاز...... اور ادھر لیٹرین کے دورے ہی نہیں مک رہے۔''

''او چل اوئے...... بوھتی گلاں نہ سُنا۔ تو تو جیسے کبھی گیا ہی نہیں...... تیرا تے سسٹم ہی ہور ہے...... چل جا...... میں آپے چلا جاؤں گا...... وہ سامنے ہی تو ہے چار قدم پہ۔''

اشرف باپ کو اکیلا چھوڑنے کے خیال سے ہچکچا سا گیا۔ واش روم اگرچہ واقعی چار قدم کے فاصلے پر تھے مگر واپسی کا رستی چار قدم کا نہیں تھا۔

''تسی واپس کیسے آؤ گے؟''

''چار بندوں کے کاندھوں پہ''

دادا جی نے جل کے کہا۔

''اللہ نہ کرے...... امی صحیح کہتی ہیں آپ نے ہمیشہ نیش باتیں کرنی ہوتی ہیں...... خیر...... اِدھر تکو...... وہ جو سامنے کتابوں رسالوں کا سٹال ہے ادھر سے کھبے پاسے مڑنا ہے وہاں پہ رنگ گورا کرنے والی کریم کا بڑا سا اشتہار لگا ہے......''

''وہ جو اونچے دنداں والی لڑکی ہے...... اسکا؟''

بڑا پتا تھا بھئی دادا جی کو اس عمر میں بھی ماڈل گرلز کا کہ کس کے دانت اونچے ہیں...... کس کا ماتھا چوڑا ہے۔

''ہاں جی...... وہی......''

''بھلا دسو...... رنگ چٹا کرنے سے کیا ہوگا...... ''بیڑ'' (جبڑا) تو سارا اس کا باہر ہے...... کوجی (بدصورت)۔''

''اوہو...... ابا جی...... کوجی ہو یا سوہنی بس اس اشتہار کے سامنے ہی میں کھڑا ہوں گا۔''

''سرفراز اور اس کے ٹبر کے ساتھ۔''

''پتا نہیں...... اب تک شاید نکلا ہو۔ شاید نہ نکلا ہو۔ تسی جاؤ وی...... ابھی تو آپ سے منٹ صبر نہیں ہو رہا تھا۔''

تاؤ جی کے یاد دلانے پہ دادا جی جلدی سے واش روم کی طرف بڑھے۔

☆☆☆

''کڑیو...... روٹی تیار ہے؟''

ساری ماؤں کی طرح دادی کی محبت بھی بیٹے کے پسندیدہ کھانے سے شروع ہو کے وہیں ختم ہوتی تھی۔

''ہاں جی...... پلاؤ دم پر رکھ دیا ہے۔ فریحہ...... ذرا تم شامی کباب تل دو۔ اور ارم سے کہو...... کھیر کے لیے بادام پستے کاٹ دے۔''

مسرت کے ہدایت نامے پر دادی بگڑ گئیں۔

''سارا کچھ میری پوتریوں نے ہی کرنا ہے تو تُو نے کیا کرنا ہے...... کھرک! (خارش)۔''

''ہا...... ہائے...... میں نے پلاؤ بنایا...... کڑاھی گوشت بنایا...... سلاد بنایا...... کھیر بنائی۔''

''شڑوع ہوگئی تو اپنی تعریفیں کرنے؟''

روبینہ اچانک کہیں سے ٹپک پڑی۔

''جیسے میں نے تو کچھ کیا ہی نہیں...... قورمہ کس نے بنایا؟ میں نے...... کڑیلے گوشت کس نے بنایا؟ میں نے...... سڑہانوں کے اُچھاڑے (غلاف) کس نے بدلے؟ میں نے...... پڑدے کس نے دھوئے؟ میں نے...... فڑش کس نے دھویا؟ میں نے...... کڑسیاں کس نے جھاڑیں؟ میں نے...... سڑفراز تاؤ کے لیے کڑتے کس نے استڑی کیے؟ میں نے......''

''نی گل دس نی...... تو نے چن چن کے سارے کام ایسے ہی کرنے تھے جس میں رج کے ''ڑ'' آتا ہو...... قورمہ...... کریلے گوشت، سرہانے...... پردے...... فرش، کرسیاں...... کرتے...... توبہ توبہ۔''

دادی نے کانوں کے اندر انگلیوں سے خلال کیا جیسے سارے ''ڑ'' اور ''ڑ'' کانوں میں پھنس گئے ہوں۔

''فریحہ...... شامی کباب تل دے۔ ارم کھیر سجا دے۔''

مسرت نے روبینہ کی عزت افزائی ہونے پہ مسکراہٹ دبا کے نندوں کو آوازیں لگائیں۔

وہ دونوں اندر اپنی اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھیں۔

''فریحہ ڈائجسٹ میں غرق......وہ ناول پڑھ رہی تھی جس کی ہیروئن سب کر کرا کے ہی صاف پاک بی بی تھی......اور مظلوم بن کے تیسرا عاشق پھنسا رہی تھی۔

ارم اپنی نوک پلاک سنوار رہی تھی۔

اس نے وہ تمام بیوٹی پراڈکٹس بھی آزما ڈالے تھے جن جن کے اشتہار اب تک اس کی نظر سے گزرے تھے۔

رنگ گورا کرنے والی مہنگی کریم بھی......

جلد ملائم کرنے والی بدبودار ابٹن بھی......

بال گھنے کرنے والا نایاب تیل بھی......

امپورٹڈ شیمپو اور کنڈیشنر بھی......

اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے تمام حکیمی ٹوٹکے اور حسن نکھارنے کے دیسی نسخے بھی برت لیے تھے۔

لیموں کے چھلکے سے رگڑ کے منہ پہ ملائی کا لیپ......

پیٹ اندر کرنے کے لیے نہار منہ مولی کے عرق کا ناشتہ۔ یہ الگ بات کہ سارا دن پھر کوئی اس کے پاس بیٹھنے کی ہمت نہ کر سکا۔

کھٹی چھاچھ سے بال بھی دھوئے......

چاہے تائی جی سے جی بھر کے گالیاں ملی ہوں کیونکہ یہ لسی انہوں نے کھٹی ہونے کے لیے رکھ چھوڑی تھی......کڑھی بنانے کے لیے۔

اس وقت وہ جارجٹ کے سرخ سوٹ میں ملبوس کاندھوں پہ اپنے ڈھائی بال بکھرائے دھاگا ہاتھ میں پکڑے بندر والی تھوتھنی بنائے مونچھوں کے اکا دکا بال نوچ رہی تھی جب تائی جی اندر چھاپہ مارنے کے انداز میں داخل ہوئیں۔

''تجھے آواز نہیں آرہی......جا کے بادام پستے کاٹ کے دے مسرت کو......اس نے چیخ چیخ کے سارا محلہ سر پہ اٹھایا ہوا ہے۔ آنڈ گوانڈ (آس پڑوس) کو سنا رہی ہے کہ تو ذرا سے کام کے لیے بھی

کسی کے ہاتھ نہیں آتی۔''

''میرے سے نہیں کٹتے بادام پستے......میرے ہاتھ خراب ہو جائیں گے۔

''نہیں......تیرا اچھا نا خراب ہو جائے گا۔ اگر میں نے اسے پکڑ کے دو چار جھٹکے دیئے تو۔''

تائی نے خطرناک تیوروں کے ساتھ دھمکی دی۔ جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ارم اپنے ان ہاتھوں کو حسرت سے دیکھتی سرد آہ بھرتی باہر نکل گئی جن کو رات بھر عرقِ گلاب، گلیسرین اور لیموں کا عرق رگڑ رگڑ کر چٹا دودھ کیا تھا۔

☆☆☆

''ندیم......گل سن''

چاچا جی سہیل نے ندیم کو اس وقت پکارا جب وہ جیل لگا کے بالوں کی سپائکس بنانے کی کوشش میں تھا۔ مگر چونکہ پہلا پہلا موقع تھا اس لیے بن کے ہی نہیں دے رہے تھے۔

''جی ابا جی......''

وہ بُرے بُرے منہ بناتا باپ کے پاس آیا جو اس سے بھی بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

''ذرا شاہ عالمی تو جا۔''

''ہیں جی! اس وقت؟''

وہ ہڑبڑا گیا۔

''سنا ہے چائنہ کے مال کی بڑی اچھی لاٹ آئی ہے۔''

''ابا جی......چائنہ کا مال بھی کبھی اچھا ہوا ہے......؟''

''ہم نے کوئی استعمال نہیں کرنا......بیچنا ہے......جا دیکھ کے آ کام کا ہے تو ساٹھ ہزار کا سامان اٹھا لا۔''

''اتنی رات کو کیا پتا چلنا ہے......مال کام کا ہے یا نہیں......سویرے دیکھیں گے۔''

''کبھی کمانے کی فکر نہ کرنا......تُو کون سی جوان جہان لڑکی ہے جو رات کے وقت باہر نکلنے سے تجھے خطرہ ہوگا۔ جا شاباش۔''

''میری موٹر سائیکل پنکچر ہے۔''

اس نے تازہ بہانہ گھڑا......

"تو مال کون سا تیرے اس چھکڑے پہ آجانا ہے۔ یہاں سے اکتالیس نمبر کی ویگن پکڑ... وہاں سے مال لے کر چینگ چی سالم کرالے۔"

"ایسا کون سا مال ہے جو ابھی کے ابھی نہ لیا تو آفت آجائے گی۔" وہ تپ کے رہ گیا۔

کتنی محنت اور دل لگا کے اپنی "پرسنالٹی" بنائی تھی۔ امریکہ والے چاچے اور ان کی گرین کارڈ ہولڈر بیٹی کو امپریس کرنے کے لیے۔

"وہ کیا ہوتے ہیں...پلاسٹک کے پوتڑے...ہاں...پمپر...پمپروں کی بڑی نئی ورائٹی آئی ہے...لے آ ساٹھ ہزار کے۔ اچھرے میں بڑے بکیں گے...ساٹھ کے مال پہ پچاس ہزار تو بچیں گے۔"

"کیا؟ اب میں پمپر بیچوں گا؟"

ندیم کا میٹر گھوم گیا۔

"بیچنے ہی ہیں۔ کوئی دھونے تو نہیں جو تڑپ رہا ہے۔"

"میں یہ واہیات کام نہیں کرسکتا۔"

"او...چل...نہ سہی...نہ بیچنا...مگر لا تو دے...میں اپنی دکان کے باہر ہی رکھ لوں گا۔"

"میں نہیں لا سکتا...کم از کم اس وقت تو نہیں لا سکتا...کل صبح لا دوں گا۔"

ندیم نے جان چھڑانا چاہی۔

"کیوں؟ اس وقت تو کون سا ضروری کام کر رہا ہے علاوہ "بودے" (زلفیں) بنانے کے۔"

وہ بھی پھر اس کے باپ تھے۔ گھور کے اس کا جائزہ لیا۔

"یہ بالوں کی چونچیں کیوں کھڑی کی ہوئی ہیں لڑاکے ککڑ کی طرح۔"

"فیشن ہے ابا جی۔"

"بڑا لعنتی فیشن ہے۔"

"تو وہ آپ کے زمانے کا فیشن کون سا کم لعنتی تھا۔ جس میں آپ کی تصویریں ابھی تک بیٹھک میں لگی ہیں...لمبی لمبی قلمیں...جیسے گالوں پہ کسی نے بوٹ سجا دیے ہوں۔"

"بوٹ؟ واہیاتا...باپ کے منہ پہ جوتا سجاتا ہے؟"

"سیدھی بات ہے جی...مجھ سے نہیں جایا جاتا اس وقت شاہ عالمی کی گلیوں میں خجل خوار ہونے...آپے جاؤ۔"

وہ بدلحاظی میں باپ سے چھ ہاتھ آگے تھا۔ صاف انکار کر کے چلتا بنا اور سہیل پیچ و تاب کھا کے رہ گیا...دراصل بیٹے کو منظر سے غائب کرنے کا ہی ایک مقصد تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سب لوگ مل بیٹھیں...سرفراز سے آمنا سامنا ہو...پرانے ذکر نکلیں اور بیٹے کے سامنے اس کے جوانی کے کارنامے کھلیں...مگر بیٹا بھی اسی کا تھا...اصل مقصد سے واقف ہو یا نہ ہو...قابو تو نہ آنا تھا اُس نے...ویسے بھی اتنے دن سے بھرپور تیاریاں ہو رہی تھیں سرفراز انکل کی بیٹی کے استقبال کی...وہ کیسے ہاتھ سے جانے دیتا یہ سنہری موقع۔

☆☆☆

سرفراز کے گلے لگتے ہی اشرف کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی...اتنے سال اپنے خون سے الگ رہنے کی کسک اب جاگی تھی...اتنا ہی عرصہ ڈھیٹ بن کے گزارا تھا...اب احساس ہو رہا تھا کہ اندر کتنی بھڑک تھی اک دوجے کے لیے...

سرفراز تو باقاعدہ رو رہا تھا...

ایک تو سالوں بعد وطن لوٹنے کی سرشاری...

اپنی مٹی کی مہک...

اور اس پر اپنے خون کی قربت...

"لے...جھلا...جوان اولاد کے سامنے رو رہا ہے۔"

تاؤ جی اشرف نے رندھے ہوئے گلے کے ساتھ جھڑکا...پھر بھائی کا جائزہ لیا۔

ویسا ہی چھریرا بدن...ذرا سا بھر ضرور گیا تھا مگر فربہ نہیں تھا...کاندھے ابھی بھی سیدھے...کمر ابھی تک اتنی موٹی...

رنگ پہلے سے زیادہ سفید ہوگیا تھا...نظر کے چشمے کا اضافہ اسے سوبر بنا رہا تھا...ہلکی بڑھی ہوئی شیو سے اندازہ ہوتا تھا عمر کا...ورنہ سر کے بال تو ایسے مہارت سے ڈائی کیے ہوئے تھے کہ ایک سفید بال بھی نظر نہ آتا تھا...بس داڑھی میں ہی برف گری ہوئی تھی...اور سر کے بال آگے سے جھڑے کافی کم بھی ہو چکے تھے۔

سفر کی تھکن ذرا سی بھی نظر نہیں آ رہی تھی......ہشاش بشاش......بھینی بھینی مہک سے سجا وہ اپنی عمر سے سات آٹھ سال کم عمر نظر آ رہا تھا جبکہ تاؤ جی اپنی اصل عمر سے دُگنے لگ رہے تھے۔ اب تو دادا جی کے ساتھ بیٹھے ہوتے تو چار چھ سال چھوٹے بھائی لگتے ان کے۔

''بچے کدھر ہیں؟''

تاؤ جی نے بھائی کے سراپے سے نظر چُرا کے پوچھا۔ مبادا ان کی نظر ہی نہ لگ جائے۔

''سامان کلیئر کروا رہے ہیں......آپ اکیلے آئے ہیں؟''

''ہاں......وہ سہیل تو دکان ہی دیر سے بند کرتا ہے......اکمل نے بھی کام جانا تھا......اجمل جماعت کے ساتھ نکلا ہوا ہے......ہاں ابا جی آئے ہیں میرے ساتھ۔''

''کدھر ہیں؟''

سرفراز نے بے تابی سے ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔

''ہیں؟''

تاؤ جی اشرف کا بھی ماتھا ٹھنکا......پندرہ بیس منٹ تو ہو چکے تھے انہیں سرفراز کے ساتھ حال چال پوچھتے۔ اور اس سے بھی پندرہ بیس منٹ پہلے تک وہ اس کا انتظار کرتے رہے تھے یہاں کھڑے۔

''ہاں یار......باتھ روم تک گئے تھے......دیر ہی لگا دی ہے انہوں نے......میں دیکھتا ہوں۔''

''میں بھی چلتا ہوں ساتھ۔''

''نہیں نہیں......تو کھلو......بچے باہر نکلے تو پریشان ہوں گے......میں ابھی لے کے آیا۔''

دینے کو اسے تسلی دے تو دی تھی......مگر اندر ہی اندر سخت پریشان بھی تھا کہ آدھے پونے گھنٹے سے دادا جی باتھ روم تو ہوں گے نہیں......باہر نکلے ہوں گے......اس طرف آئے بھی ہوں گے......اللہ جانے راستہ بھول کے کسی اور طرف نکل گئے؟......یا......یا پھر باہر......

وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں ایک ایک واش روم میں جھانک رہے تھے......جو اندر سے لاک تھے ان کے دروازے بجا بجا کے باآواز بلند دریافت کر رہے تھے۔

''ابا جی......تُسی او؟''

جواب میں لعنتیں ملنے پہ اگلا در کھٹکھٹایا جاتا......باتھ روم سے اچھی طرح مایوس ہونے کے بعد ائیر پورٹ کے باقی مقامات کو کھنگالا گیا......اتنے میں کسی انجان نمبر سے مسلسل کال آنے لگی......گھبراہٹ اور پریشانی کے مارے فون سننے کا بھی وقت نہ تھا۔ وہاں سے نکل کے ائیر پورٹ میں موجود ہر اس شخص کو جا جا کے دبوچا اور اسکی گردن اپنی جانب گھما کے اس کا جائزہ لیا جس جس نے دادا جی جیسا لباس پہنا ہوا تھا اور جس جس کا رنگ بھی پکا سیاہ تھا اس چکر میں ایک بے حد مزیل سے بندے سے تو تو میں میں بھی ہو گئی۔

''اشرف بھائی......''

آخر سرفراز نے اسے جا لیا۔

''کیا ہوا؟......کہاں ہیں ابا جی......؟ اور آپ میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے؟''

''تیرا فون......اچھا وہ تم فون کر رہے تھے؟''

''ہاں......پی سی او سے کر رہا تھا......فکر ہو رہی تھی مجھے اور بچوں کو۔''

''ابا جی گواچ گئے ہیں سرفراز۔''

تاؤ جی اشرف نے بوکھلا کے اطلاع دی اور سرفراز کو غش سا آ گیا۔

(یا اللہ......کتنی دعائیں مانگی تھیں کی اتنے سالوں بعد وطن واپس جا رہا ہوں۔ بچوں کے سامنے عزت رکھ لینا۔ کوئی نیا سیاپا جاتے ہی گلے نہ پڑ جائے......چلو کچھ دن بعد ہوتا تو اور بات تھی......ابھی تو......)

''آپ نے اچھی طرح دیکھا؟''

اس نے مرے مرے لہجے میں پوچھا۔

''او یار......ابا جی ہیں......کوئی سوئی نہیں جو چارے کے ڈھیر میں گر جائے......لیٹرینوں میں بھی دیکھ آیا ہوں......باہر پارکنگ چھان ماری ہے۔''

''اناؤنسمنٹ کرائی؟''

''کی؟''

''اعلان کروا دیں......سن کے خود یہاں آ جائیں گے یا کسی کو پتا ہوگا تو ان کو پہنچا دے گا۔''

''ہاں......یہ ٹھیک ہے......ابھی لبھا (ڈھونڈتا) ہوں کوئی میسیت (مسجد)۔''

''میت؟ ......مگر مسجد میں کیوں اعلان کرانا ہے ابا جی گم تو ائیر پورٹ میں ہوئے ہیں۔''

''مگر گواچے لوگوں کا اعلان تو مسیت میں ہوتا ہے۔ تجھے یاد ہے......محلے کی مسجد میں ہر ہفتے دو واری تیرے گواچنے کا اعلان ہوتا تھا اور دو واری تیرے ملنے کا......کئی دفعہ تو تو ملتا نہیں تھا تو پھوپھی کے پوچھنے پہ اماں بے فکری سے کہہ دیتی تھی کہ ابھی محلے کی مسیت سے اعلان ہوگا تو پتا چل جائے گا سرفراز کتھے اے۔''

''اوہو......یہ وقت بچپن کی یادیں تازہ کرنے کا نہیں۔ ابا جی کو ڈھونڈنے کا ہے۔ آئیں میرے ساتھ۔''

''بچے کتھے نیں؟'' (بچے کدھر ہیں؟)

''اویس فریش ہو رہا ہے......صبا اور لوبو سنیکس لے رہی ہیں......ان کو چھوڑیں آئیں میرے ساتھ۔''

اب تاؤ جی اشرف کی جانے بلا......کہ اویس فریش کیسے ہو رہا ہے اور صبا اور لوبو کیا لے رہی ہیں۔ اُن کے تو سر سے یہ بیان گزر گیا۔ بہرحال سرفراز کے پیچھے پیچھے ایسے ہو لیے جیسے وہ خود اس شہر میں نئے ہوں یا عرصے بعد آئے ہوں......اور سرفراز یہاں کے چپے چپے سے واقف ہو۔

☆☆☆

اجمل جماعت کے ساتھ تبلیغ کر کے واپس لوٹ آیا......

اکمل نرگس کی فلم کا شو دیکھ کے لکشمی سے بٹ کڑاھی والوں کی کڑاھی کھا ٹھوس کے آ گیا......

مسرت اور روبینہ نے اپنے ان بچوں کو فینرگن دے کے سلا دیا......جو رات کے دو بجے تک ناک میں دھواں دیتے تھے۔

دادی ایک طویل اونگھ لے کے اٹھ بھی گئیں۔ نئے سرے سے تازہ دم ہو کے......

تائی امی جوڑوں کا مرہم لگا کے......بلڈ پریشر کی گولی کھا کے......شوگر کا ٹیکا لگوا کے......اور کھانسی کا سیرپ پی کے رضائی میں دبکی بس انتظار میں تھیں کہ سرفراز آئے تو وہ اس کے سر احسان تھوپیں کہ اتنی بیماریوں اور تکلیفوں کے ساتھ بھی وہ اس کے انتظار میں جاگ رہی ہیں اور بس پھر غڑاپ سے رضائی کے اندر گھس جائیں۔

چاچی نیا چائنہ کا ڈنر سیٹ دو بار گیلی صافی سے چمکا چکی تھیں۔

ارم نے پتا نہیں کتنی بار اپنے چہرے کا ہلکا ہلکا میک اپ تر و تازہ کیا تھا......

فریحہ ایف ایم پہ کوئی دو چار سو گانے سن چکی تھی......اور ندیم خیالوں ہی خیالوں میں چچا سرفراز کی بیٹی سے شادی کر کے نہ صرف گرین کارڈ لے چکا تھا بلکہ اب تو باپ بھی بننے والا تھا......تھوڑی دیر تک اور وہ سب لوگ ائیر پورٹ سے واپس نہ آتے تو اسکے بچے بھی جواں ہو جاتے ہیں۔

''فریحہ......فون کرا اپنے تاؤ کو۔''

''چاچی کو سب سے زیادہ فکر تھی......کیونکہ کچن کا انتظام اس وقت ان کے سپرد تھا اور بھوک کے ہاتھوں بے تاب ہو کر کبھی کوئی تو کبھی کوئی پلیٹ میں دو چار نوالے یہ کہہ کر لے جاتا کہ ذرا تسلی کے لیے منہ چلانا ہے۔ اور چاچی کو ڈر تھا......یونہی تسلی تسلی میں منہ چلاتے ساری ہانڈیاں بوٹیوں سے خالی نہ ہو جائیں۔

''میرا بیلنس ختم ہونے والا ہے۔''

فریحہ اپنے فون کے معاملے میں صرف کنجوس نہیں تھی......کمینی بھی تھی۔

''دفع ہو......ندیم سے کہہ کر بیس روپے کا لاڈ کروا دوں گی......ملا فون۔''

''لاڈ نہیں امی......لوڈ......لوڈ کرواتے ہیں بیلنس''

''نمبر ملا......انگریزیاں نہ پڑھا۔''

اور فریحہ بڑے بُرے منہ بناتی نمبر ملانے لگی۔

☆☆☆

''چلو......بیڑہ ای تر گیا۔''

تاؤ جی نے ہاتھ میں بجتے سیل فون پہ فریحہ کا نمبر دیکھ کے کہا۔

اناؤنسمنٹ ہوئے بھی بارہ منٹ ہو چکے تھے۔ کوئی فائدہ ہوتا نہ نظر آ رہا تھا۔ کھڑے کھڑے ٹانگیں الگ شل ہو چکی تھی۔

''اب کیا ہوا؟''

''گھر سے فون آنے شروع ہو گئے ہیں۔ اب ان کو کیا بتاؤں؟ ذرا ابا جی والی بات میرے منہ سے نکلی ہے پورا کا پورا رنگ محل ائیر پورٹ اٹھ آنا ہے۔''

"لو بو کے میسج بھی آ رہے ہیں...... کیا خیال ہے ان کو کار میں نہ بٹھا آئیں...... پھر آ کے ابا جی کو ڈھونڈتے ہیں؟"

"اب اور کتنا ڈھونڈیں...... میرا خیال ہے ابا جی ایئر پورٹ سے نکل گئے ہوں گے۔"

"گھر نہ چلے گئے ہوں...... فون کر کے پوچھ لیں۔"

"پچھلے دس سالوں سے وہ رنگ محل سے سوائے باغبانپورے، کرشن نگر، شاہ عالمی، پریم گلی اور کشمیری محلے کے اور کہیں نہیں گئے...... یہ والا لاہور تو انہوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں...... ایئر پورٹ تو بنا ہی لاہور کے دوجے کونے میں ہے...... میرا خیال ہے پلس میں رپورٹ لکھوانی پڑے گی۔"

یہ سن کر سرفراز فکر مند ہو گیا۔

"مگر میں آدھی رات کو بچوں کو اور اتنے ڈھیر سارے سامان کو ساتھ لے کے کہاں پھروں؟ حالات بھی تو ٹھیک نہیں یہاں کے...... اور ہمارے پاس تو امریکن پاسپورٹ اور ڈالرز بھی ہیں...... بہت خطرے والی بات ہے۔"

"امریکن پاسپورٹ اور ڈالر کا نہ ہونا خطرے والی بات ہے۔"

تاؤ جی نے ایک حسرت بھری آہ آزاد کی۔

"یہ پاسپورٹ اور ڈالر ڈال کے لاہور شہر میں انے (اندھے) سانڈ کی طرح پیروں میں بندے رول سکتا ہے جیسے تیرے امریکن یار رے منڈے (ریمنڈ) نے کیا تھا...... اُسے کسی نے کچھ کہا؟"

ریمنڈ ڈیوس کا حوالہ سنتے ہی سرفراز کچھ گھبرا سا گیا...... چہرے کا رنگ تک اُڑ گیا۔

"پلیز بھائی جان...... ایسی متنازعہ باتیں نہ کریں اور بچوں کے سامنے تو بالکل بھی نہیں...... دراصل میں صرف شہر کے حالات کی وجہ سے کہہ رہا تھا۔"

"اکمل گھر سے باہر ہی نکلا ہوا تھا۔ اسے فون کر کے دیکھتا ہوں...... ہو سکتا ہے آلے دوالے ہی ہو ائیر پورٹ کے...... اس کو بچوں کے اور سامان کے ساتھ گھر بھیج کر آپاں دونوں پلس میں رپورٹ کرانے چلتے ہیں۔"

"ہاں...... یہ ٹھیک ہے...... میں بچوں کو بلاتا ہوں۔"

وہ میسج ٹائپ کرنے لگا اور تاؤ جی اشرف اپنا موبائل فون نکال کے اکمل کا نمبر تلاش

کرنے لگے۔

☆☆☆

اکمل بستر پر نیم دراز ماچس کی تیلی سے دانتوں میں خلال کر رہا تھا...... روبینہ بیٹھی اونگھ رہی تھی...... اس نے وہی ہوش ربا پرنٹ والا سلک کا سوٹ پہن رکھا تھا جس کی پشت میں ایک نشیلی آنکھ بھی تھی...... دو تین رنگ برنگی تتلیاں...... کچھ پھول...... کچھ سنگترے...... کچھ انگور اور نجانے کیا الا بلا بنا ہوا تھا۔

"روبینہ...... مجھے دودھ پتی بنا کے دے۔"

اس نے دور ہی سے پیر مار کے اسے ٹھوکا دیا۔

"ماڑ کیوں ڑھے ہو پیڑ سے...... منہ سے بات کڑو۔"

وہ غرائی......

"جس کی جو اوقات ہو اسے اسی طرح پیش آتے ہیں۔"

وہ جواباً دھاڑا۔

"آپے جا کے بناؤ دودھ پتیاں۔ یا بے بے سے کہو جو ڈھیر دوائیوں کا پی کے ٹن بیٹھی ہے تاکہ کوئی کام نہ کرنا پڑے یا پھر آزم سے کہو جسے نیا نیا شوق چڑھا ہے صنم بلوچ بننے کا...... ہونہہ منہ سعدیہ امام وزگا...... عمر ناہید شبیر جتنی...... تے چاء صنم بلوچ والے......"

"اٹھ کے مر...... دودھ پتی بنا کے لا...... نیش شے میں نے پشاوری چپل اتار لینی ہے۔"

وہ جس دن شان کی فلم دیکھ کے آتا تھا اُس دن تیور ہی اور ہوتے تھے۔ روبینہ پہ خاطر خواہ اثر ہوا۔ ٹسوے بہاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہم عوزتوں کی تقدیر میں ڑونا ہی ڑونا لکھا ہے...... ہائے اور میٹریا ڑبا...... مڑدوں کا ہی ڑاج کڑاتا تھا تو نے۔"

"اور بس اوئے۔"

اکمل نے گھبرا کے چیخ ماری۔

"کتنی بار ساروں نے ٹوکا ہے تجھے کہ سادے جملے بولا کر...... یہ "ڑ" اور "ڑ" سے بھرے ہوئے جملے بول کے کیوں دوسروں کا صبر آزماتی ہے۔ اور بات سن...... دودھ پتی کے ساتھ تھوڑی سی

کھیر لے آ......اور پلاؤ میں بنے دوکو پٹھ کی بوٹیاں نکال کے لادے۔''

''گھر سے بھی کھا کے گئے ......باہر سے بھی کھا کے آ رہے ہو......ناں یہ کیسی بوک ہے جو مٹتی ہی نہیں۔''

''تو میرے نوالے نہ گن......اپنے ''ز'' گن۔''

ادھر روبینہ نکلی......اُدھر اسنے سگریٹ سلگائی اور ،اِدھر تائی اندر داخل ہوئیں۔

''اکمل......وے......اپنے پیو کو فون کر۔''

''آجائیں گے امی۔ ائیر پورٹ کوئی نزدیک تو نہیں......ڈیڑھ گھنٹہ آنے کا......ڈیڑھ گھنٹہ جانے کا لگتا ہے۔''

''پراب تو چھ گھنٹے ہونے والے ہیں۔ کر فون......فریحہ نے کیا ہے اس کا نمبر اٹھا ہی نہیں رہے۔''

''میرے پاس فون نہیں ہے۔''

''ہیں ...... کتھے گیا؟ چوری ہوگیا؟''

''نہیں نہیں......چوری نہیں ہوا ایسے ہی میں نے ذرا......''

مگر تائی امی نے اس کی پوری بات سننے کی زحمت ہی نہ کی۔

''اچھا......بیچ آیا؟ بیڑہ تریا......فلم دیکھنے اور تکے کباب کھانے کے لیے فون بیچ دیا؟......کب عقل آئے گی تجھے......بیوی بچوں والا ہو گیا ہے......مگر کرتوت......پورا اپنے چاچے پہ گیا ہے......سہیل بھی بڈھے وارے تک ایسے ہی کرتوت گھولتا رہا ہے۔''

''اوہو......کوئی تکے کباب کھانے کے لیے نہیں بیچا فون۔ وہ تو میں نے......''

''آھو......روبینہ کے چاء پورے کرنے کے لیے بیچا ہوگا۔ پرسوں لگا تھا اس کا انارکلی کا پھیرا......اس کی شاپنگوں کے لیے تو تو گردے بھی بیچ دے......موبیل فون کی چیز اے۔''

''او کوئی میری وی سنے گا۔''

اب ہوا وہ آپے سے باہر......اور اب لگی ماں کو چپ۔

''بیچا نہیں ہے فون......دیا ہے......بلکہ دیا بھی کیا......دادا جی نے بدو بدی (زبردستی) لے لیا۔''

''ابا جی نے؟''

تے ہور کی......؟ میں بھونکتا جا رہا ہوں۔ بھونکتا جا رہا ہوں......سن بھی لو کتے کی......اپنے ہی انداز سے مارے جا رہے ہو......دادا جی کو چاؤ چڑھا تھا کہ ائیر پورٹ جا رہا ہوں تو کیمرے والا موبائل ساتھ لے کے جانا ہے......ضد کر کے لے لیا۔

☆☆☆

کوئی پانچویں بیل پر دوسری جانب سے کال ریسیو کی گئی۔تو تاؤ جی نے رعب بھری بے تابی سے پوچھا۔

''اوئے ......کھوتیا......فون جلدی کیوں نہیں چکتا۔''

''تمیز نال۔''

دوسری طرف سے دادا جی نے گھرکا،تو تاؤ جی لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکے......مگر پھر اور بھی اشتعال کے ساتھ للکارا۔

''بے غیرتا......نامانیا......ابا جی کی آواز نکال کے مجھے جھڑکتا ہے۔''

''اوتو ہے کتھے؟ مجھے نکال میں پھنس گیا ہوں۔کھوتے دے کھر......میں تیرا پیو ہی ہوں......میرے پاس ہے اکمل کا فون۔''

''ہیں! ابا جی۔''

تاؤ جی کے دیدے پھٹ گئے۔ سرفراز بھی متوجہ ہوگیا۔

''کیا ہوا؟ پتا چلا ابا جی کا......کہاں ہیں؟''

''کیا؟لیٹرین میں؟''

دوسری جانب سے کچھ سن کے تاؤ جی نے بڑے اچنبھے سے پوچھا۔

''مگر واش رومز تو آپ نے چیک کئے تھے۔''

سرفراز کے اس سوال کو تاؤ جی نے ہو بہو پنجابی میں دوہرا دیا۔دوسری جانب سے جو جواب ملا اسے سنتے ہوئے ان کے دیدے صرف پھٹ ہی نہیں رہے تھے بلکہ باہر کو اُبل بھی رہے تھے۔ مرے مرے انداز میں فون جیب میں ڈالتے ہوئے اس سے بھی مرے مرے لہجے میں کہنے لگے۔

''چل فیر......لیٹرین میں بند ہیں وہ......''

''مگر آپ تو چیک کرآئے تھے؟''

''میں نے مردوں والے چیک کیے تھے۔ زنانیوں والے نہیں کیے تھے۔''

''زنانیوں والے؟ مطلب وہ لیڈیز واش روم میں ہیں؟''

''آھو......وہاں جانے کے بعد باہر سے عورتوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں تو ڈر کے مارے باہر ہی نہ نکلے......کہ زنانیوں سے لتر نہ پڑ جائیں......اب بھی ڈر کے مارے اندر ہی چھپے ہوئے ہیں کہ کسی نے یہاں سے نکلتے دیکھ لیا تو پلس کے حوالے نہ کر دیں۔''

''حد ہوگئی۔''

☆☆☆

یوں فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں جب وہ سب گھر پہنچے......دادی اور سرفراز چاچا کے ملن کے جذباتی منظر......جب آل اولاد کے آپس کے تعارف اور پھر ایک دوسرے کے ساتھ......''اوئے تم کتنے بدل گئے ہو'' جیسے جملوں کے تبادلے کے بعد بڑے اہتمام کے ساتھ دادا جی کا تازہ کارنامہ سنایا گیا۔ جسے سننے سے بچنے کے لیے بلکہ اس پہ تبصروں کو سننے سے بچنے کے لیے دادا جی فجر کی نماز ادا کرنے مسجد تک چلے گئے۔ حالانکہ وہ جمعے کے جمعے مسجد کو درشن دیا کرتے تھے۔

خوب مزے لے لے کے اس قصے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے چائے باقر خانی کا ہلکا پھلکا ناشتہ کرنے کے بعد سب نے بستروں کی راہ لی۔

پلاؤ......جس میں سے بوٹیاں ویسے بھی ایک ایک کر کے اڑ چکی تھیں اور کھیر جس کے اوپر سے بادام پستے کی ساری ہوائیاں چن لی گئی تھیں......وہ پڑے کا پڑا رہ گیا۔

☆☆☆

ندیم کبھی ایک طرف کروٹ بدل رہا تھا......کبھی دوسری طرف......سرفراز چاچا کی بیٹی تو اس کے اندازوں سے بڑھ کے حسین تھی بلکہ دونوں ہی......صبا بھی اور لوبو بھی......بس لوبو کچھ عجیب سی تھی......اور اس سے کافی چھوٹی بھی......پکی امریکن لگتی تھی......ایک لفظ اردو کا نہیں آتا تھا۔ پہنتی بھی جینز شرٹ تھی۔ اور جینز بھی گھٹنوں سے ذرا نیچے اور شرٹ ایسے پھنسی ہوئی کہ سانس بھی مشکل سے آتا ہوگا۔ البتہ صبا کافی حد تک اپنی اپنی سی لگ رہی تھی......نہ تو اس نے لوبو کی طرح

بالوں کی اگلی لٹیں سفید اور سرخ رنگی ہوئی تھیں......نہ دونوں نتھوں کے درمیان بالی اٹکائی ہوئی تھی......شانوں سے نیچے آتے گہرے بھورے بال......جو بے شک زیادہ گھنے نہیں تھے مگر سیدھے اور ریشمی ضرور تھے......صاف گندمی رنگت......ناک سرفراز چاچا کی طرح موٹی اور ہونٹ بھی ان کی طرح قدرے باہر کو لٹکے ہوئے تھے مگر ہنستے ہوئے اچھی لگتی تھی......آنکھیں بالکل چینی منی ہو جاتی تھیں ہنستے سے اور گال گول مول سے......بالکل چینی گڑیا لگتی......اچھی خاصی اردو بھی بول لیتی تھی اور انگلش لب و لہجے میں اردو بولتی کتنی میم میم سی لگتی تھی......خاصی گھریلو بھی تھی......سب کے ساتھ مل کے چائے کے برتن بھی اٹھائے......اپنا بستر بھی کسی کو نہ بچھانے دیا خود بڑھ بڑھ کے کام کر رہی تھی۔

''چلو......یہ قصہ تو ختم ہوا......جیسے ارم کی مسرت بھابھی اور روبینہ بھابی سے کام کے معاملے میں چخ چخ ہوتی رہتی ہے ویسے فریحہ کی میری صبا سے نہیں ہوگی۔''

صبا فوراً ''میری صبا ہوگئی۔''

''اچھی خاصی ہے بے چاری......چلے گی۔''

خود ہی فیصلہ دے دیا گیا اور پھر اطمینان بھری انگڑائی کے ساتھ آنکھیں موند کے اگلے خواب بُننے گئے۔

☆☆☆

''تمہیں کیسے لگے چاچا کے بچے!''

چونکہ ایک کمرہ سرفراز اور اس کے بچوں کے لیے خالی کر دیا گیا تھا اس لیے باقی گھر والے اوپر نیچے ہو کے ایک دوسرے پہ چڑھے سو رہے تھے۔ اوپر والے برآمدے میں فریحہ اور ارم ایک ہی گدے پہ چڑھیں ایک ہی رضائی میں دبکیں سرگوشیوں میں بات کر رہی تھیں......سرگوشیوں میں اس لیے کہ اسی برآمدے میں اُس کمرے کا دروازہ کھلتا تھا جہاں امریکہ والے سو رہے تھے۔

''چاچا کے بچے ہی لگ رہے ہیں اور کیا لگنا ہے۔''

فریحہ نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''ہائے ہائے......تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ اوباما کے بچے لگ رہے ہیں......مطلب کیسے لگ رہے ہیں؟''

''صاف بات تو یہ ہے کہ وہ مجھے بچے ہی نہیں لگ رہے۔ کب سے شور مچا ہوا تھا کہ سرفراز انکل بچوں کے ساتھ آ رہے ہیں...... بچوں کے ساتھ آ رہے ہیں...... ذہن میں ایک خاکہ سا بن گیا تھا کہ وہ واقعی کچھ شریر سے کچھ کھلنڈرے سے بچوں کے ساتھ آ رہے ہوں گے...... یہ تو اچھی خاصی عمروں کے ہیں...... بیٹا پورا ''پائی'' لگ رہا ہے...... سنا ہے ندیم بھائی سے بھی چھوٹا ہے...... دیکھنے میں تو اتنا بڑا لگتا ہے اور صبا کہنے کو میری ہم عمر ہے...... مگر آپاں لگ رہی ہے۔ موٹی بھی اتنی ہے...... فٹنگ والی قمیص میں تین تین پیٹ بنے ہوئے تھے اس کے اور وہ بولو......''

''بولو نہیں لو بو۔''

ارم نے تصحیح کی۔۔

''او ہوائی...... ایک نقطہ ہی ہے ناں۔ چاہے پہلے لگا دو چاہے بعد میں...... وہ کہاں سے چودہ سال کی لگتی ہے۔ اتنی اونچی لمبی...... چوڑی...... تگڑی۔''

''باہر کی خوراکیں سنا ہے اچھی ہوتی ہیں...... بچے جلدی بڑھتے اور پھولتے پھلتے ہیں۔''

یہ کہتے ہی ارم تصور میں چلی گئی۔ اپنے گل تھوتھنے موٹے تازے انگریز نظر آتے بچوں کے ساتھ۔

(یا اللہ...... سرفراز چچا کے بچوں سے تو کوئی میم ماں پہ نہیں گیا...... اب پوتے پوتیاں ضرور دادی پہ چلے جائیں...... چٹے دودھ رنگ...... سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والے)

اس نے چپکے سے دعا کی۔

''ویسے مجھے ان سے مل کے ذرا مزا نہیں آیا۔''

فریحہ نے سر کھجاتے ہوئے دل کی بات کی۔

''لے...... مجھے تو اتنا آیا۔''

ارم نے آنکھیں میچ کے اس سین کا مزا لیا جب اس نے جھجکتے شرماتے اویس کو سلام کیا اور اویس نے جھٹ ہاتھ آگے کر دیا ملانے کے لیے...... تب ارم نے بھی ساری شرم و جھجک بالائے طاق رکھتے ہوئے فٹ ہاتھ ملا لیا...... کہ پتا نہیں یہ موقع دوبارہ ملے نہ ملے۔

''خاک مزا آیا...... بالکل عام سے تو ہیں تینوں کے تینوں...... کوئی باہر سے آنے والوں جیسی بات ہی نہیں۔''

''مثلاً...... کون سی بات؟''

''دیکھو ناں...... باہر سے دو طرح کے لوگ آتے ہیں ایک تو بالکل ماڈرن...... پکے امریکی...... لڑکیوں نے آدھے کپڑے پہنے ہوں لڑکوں نے لمبے لمبے بال رکھے ہوں...... نیکریں پہنی ہوں...... منہ ٹیڑھا کر کے بولتے ہوں...... سگریٹیں اور شراب پیتے ہوں۔''

''توبہ توبہ...... استغفار''

ارم نے جھرجھری لی۔

''یا پھر دوسری طرح کے...... ان کا بھی آج کل بڑا فیشن ہے۔ آتے امریکہ، لندن یا فرانس سے ہیں...... دیکھ کے لگتا ہے سیدھے رائے ونڈ سے آ رہے ہیں۔ عورتیں نقاب، حجاب اور برقعے میں...... مرد داڑھی کے ساتھ اونچی شلوار میں...... مجھے بھی لگ رہا تھا کہ اگر تو جوڑی آنٹی کا رنگ چڑھا ہوا تو پہلی والی بات صحیح ہو گی اور اگر انکل نے بازی ماری ہوئی تو بڑی اسلامی سواری اترے گی...... مگر یہ تو بالکل پھیکے ہیں...... نارمل سے...... عام سے...... جیسے باقی سارے لوگ ہیں...... ہونہہ، کوئی تو نئی...... سب سے الگ بات ہوتی۔''

☆☆☆

انکل سرفراز کو سارے ہی بڑے بدلے بدلے...... عجیب سے لگ رہے تھے...... دادا جی، دادی جی تو ظاہر ہے عمر کے اثرات کی وجہ سے بدلے ہوئے لگ رہے تھے مگر باقی سب...... کئی ایک کو تو وہ پہچان بھی نہ پایا جیسا کہ تائی امی...... یعنی اس کی بڑی بھابی...... جو کئی من وزن بڑھا چکی تھیں۔ ان گنت بیماریاں پال چکی تھیں...... بالا مبالغہ وہ اشرف تاؤ جی سے کوئی دس پندرہ سال بڑی لگتی تھیں اور سہیل چاچا جی...... جن کے مزاج انکل صاحب کو خاصے سدھرے ہوئے لگے...... اور یہ واحد مثبت تبدیلی تھی جو انہوں نے نوٹ کی...... ورنہ آوے کا آوا وہی تھا...... اکمل سے مل کے لگا سہیل کی جوانی سامنے آ گئی ہو...... وہی اکھڑ لہجہ...... وہی بے دید بے مروت اطوار...... وہی جنگلی پن...... وہی سستی...... وہی کاہلی...... اور وہی ہر کسی سے بروقت کی منہ ماری۔

اجمل کی بالکل ہی لٹیا ڈوب چکی تھی...... جیسے نیم حکیم خطرہ جان ہوا کرتا ہے ایسے ہی مذہب کا آدھا علم بندے کو درندہ بنا دیتا ہے۔ رٹو طوطے کی طرح اس نے نیم خواندہ ملاؤں سے کچھ سبق رٹ تو لیے تھے مگر دین کی روح میں اترنا تو دور کی بات اس نے سطح تک کو نہ چھیڑا تھا۔ اس لیے انتہائی

تکلیف دہ شخصیت بن کے سامنے آیا تھا۔

اشرف تاؤ جی اتنے ہی کنجوس......

چھوٹی بھاوج......یعنی چاچی جی اتنی ہی خطرناک حد تک سگھڑ اور چپ چاپ......

ندیم گود میں تھا جب وہ پاکستان سے گئے تھے اور اب بھی ایسا ہی لگ رہا تھا کہ وہ خود ماں کی گود سے اترنے کو تیار تھا نہ ہی ماں کا موڈ تھا اسے اپنے پیروں پہ کھڑا ہونے کا موقع دینے کا۔

کمرہ بھی اتفاق سے اسے وہی ملا تھا جو عرصہ پہلے جوڈی کے ساتھ آنے پر ملا تھا......اور غالباً تب کے بعد اسے اب قلعی نصیب ہوئی تھی......مگر قلعی ہونے کے باوجود وہ اپنی خستہ حالی کی گواہی دے رہا تھا......چیں چیں پاں پاں کرتے دروازے......وہی چھلانگ مار کے واش روم میں جانے کا راستہ......وہی نیلا واش بیسن، جس کے سب نل اب ٹپک رہے تھے۔

''یا اللہ......کوئی اتنا مستقل مزاج کیسے ہو سکتا ہے۔ اتنے سالوں میں یہ لوگ گھر میں اک نئی کرسی تک کا اضافہ نہیں کر سکے......پردے تک نہیں بدل سکے......جہاں جہاں سے فرش اکھڑا تھا اسے بھروا تک نہیں سکے۔ حتیٰ کہ جن پیالیوں میں چائے دی گئی وہ وہی بڑی بھابی کے جہیز کا مشہور و معروف سیٹ ہے جو خاص مہمانوں کی آمد پر جھاڑ پونجھ کے نکالا جاتا ہے......اف۔''

☆☆☆

صبح کا آغاز ویسا ہی ہوا جیسا کہ پچھلے چار عشروں سے اس گھر میں ہوتا آ رہا ہے۔ معمولی تبدیلیوں کے ساتھ......

کبھی ریڈیو پہ مالا بیگم اور احمد رشدی کے گانوں کے ساتھ ہوتا تھا۔

کبھی پی ٹی وی پہ چاچا جی تارڑ صاحب کی گپ شپ کے ساتھ۔

اور اب شائستہ واحدی کی بک بک کے ساتھ۔

''یہ لیڈی اتنی ان کمفرٹیبل کیوں ہیں؟''

لوبو نے شائستہ واحدی کو غور سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا جو اپنی جگہ پہ بیٹھے بیٹھے بار بار اچھل رہی تھی اور ہتھیلیاں مسل رہی تھی......بغلیں بجا رہی تھی۔

''اوہ......آئی سی......ان کو سردی لگ رہی ہے۔''

وہ اپنے طور پہ اندازے لگاتی جا رہی تھی اور فریحہ بار بار جواب دینے کے لیے منہ کھولتی مگر

اس کے دوبارہ بولنے پہ بے بسی سے بند کر لیتی۔

''صدقے جاواں......سویرے سویرے جاگ گئی میری پوتری......نی فریحہ......شرم کر۔''

دادی نے لوبو کو صبح کے ساڑھے نو بجے ہی ٹی وی کے آگے ڈٹا دیکھا تو نثار ہو گئیں اور لگیں فریحہ کو سنانے جو ساتھ بیٹھی جمائیوں پر جمائیاں لے رہی تھی۔

''تجھے تو چھٹی والے دن سونے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں ہوتا......اسے دیکھ......اتنا لمبا سفر کر کے آئی ہے مگر جاگ اٹھی......کتنی دیر سے میں اس کی آواز سن رہی تھی۔''

''او کے گرینڈ مام......او کے elder sister......''

اس نے باری باری فریحہ اور دادی کے گالوں سے اپنے پھولے ہوئے گال مس کیے۔

"I am going to sleep now."

(میں اب سونے کے لیے جا رہی ہوں)۔

''ہاں ہاں پرونٹھے پکا رہی ہوں۔''

دادی نے سمجھا شاید وہ ناشتے کی ڈیمانڈ کر رہی ہے۔

"have a nice day grand ma."

وہ ہاتھ ہلاتی اوپر کی جانب جانے لگی تو دادی نے گھبرا کے فریحہ کے کاندھے کا جوڑ ہی ہلا دیا۔

''نی......روک اسے......ناراض ہو گئی؟ ہورے پرونٹھے نہ کھانا ہوں اس نے۔ اسے انگریزی میں روک......بتا ڈبل روٹی اور انڈے بھی منگائے ہیں۔''

''جانے دیں اسے دادی......اسے نہ پراٹھے کھانے ہیں نہ انڈا بریڈ......رات بھر کی جاگی ہے......اب سونے جا رہی ہے۔''

فریحہ نے بیزاری سے کہا تو دادی کا پوپلا ہوتا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ہیں! سونے جا رہی ہے؟......تو ساری رات کیا کرتی رہی ہے؟''

''اس سے پوچھیں جا کے......میرا کاندھا ہلا کے رکھ دیا ہے''

وہ شانہ سہلاتے ہوئے بدمزاجی سے بولی۔

''جھارے پہلوان جیسے مونڈے (کاندھے) ہین تیرے۔ مجھ بڈھی کے ہتھ لگانے سے ہلتے

ہیں! بکواس کرتی ہے۔''

دادی نے پہلے اسے گھر کا......اس کے بعد دوبارہ اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

''پر ایہہ سوئی کیوں نہیں راتی ؟''

''اف......'' فریحہ اٹھ کے ہی چلی گئی۔

اس کے بعد اس تشویش کا اظہار فرداً فرداً سب نے ہی کیا کیونکہ صرف لوبو ہی نہیں بلکہ صبا اور اولیس بھی دن چڑھے ہی سوئے......اور ظاہر ہے اُن کے رات بھر جاگنے کی گواہی بھی کئی ایک نے دی۔

''سرفراز چاچو نے اولاد کی تربیت ٹھیک نہیں کی، ان کے طریقے شریفوں والے نہیں ہیں......راتوں کو جاگنا......سویرے سونا۔''

روبینہ کے خیال کی تائید مسرت نے زور و شور سے کی۔

''آھو......باہر سے جو آئے ہیں......چلو اچھا ہے......ہمیں سارا وقت طعنے دینے والوں کے منہ تو بند ہوں۔''

''ناں جی......منہ کتھوں بند ہونے ہیں اپنے سگوں کے عیب کوئی نہیں دیکھتا۔''

ادھر روبینہ نے بڑے سیانے پنے کے ساتھ یہ بات کی اُدھر مسرت نے بڑے اپنے پن کے ساتھ اس کی بلائیں لینا شروع کیں۔

''صدقے......میں قربان......میں واری۔''

''ہیں کی ہویا؟''

وہ اچانک اس عقیدت کے اظہار پر ہکا بکا رہ گئی۔

''پہلی دفعہ تو نے کوئی ایسا جملہ پورا بولا ہے جس میں نہ ''ر'' ہے......نہ ''ڑ''......شاباش ایسی ہی باتیں کیا کر۔''

''اوھو......آپ لوگوں کو اتنا بھی نہیں پتا......وہاں سے آنے والوں کی نیند ایسے ہی کتنے کتنے دن خراب رہتی ہے......بھئی وہاں اس وقت رات ہوتی ہے......اور جب ہماری رات ہوتی ہے ان کا دن چڑھا ہوتا ہے۔''

''پھٹی مت ہے ان لوگوں کی۔''

مسرت کو ارم کی وضاحت ذرا پسند نہ آئی......بالکل ایسے ہی......جیسے ارم کو اپنے متوقع سسرال والوں کے بارے میں ان کی ہرزہ سرائی قطعاً پسند نہ آرہی تھی......اس کا تو بس نہ چل رہا تھا سرفراز انکل کے پورے کنبے کے سامنے بچھ بچھ جائے۔

یہی حال ندیم کا تھا۔ جب چاچی جی نے بس یونہی ذرا سی تنقید صبا کے بے ڈھنگے پن سے ہنسنے پہ کر ڈالی۔

''توبہ......کیا بھگیاڑ جتنا منہ کھول کے ہنستی ہے......بھلا لڑکی ذات بھی ایسے قہقہے لگاتی ہے۔''

تو وہ تڑپ تڑپ گیا۔

''کیا ہو گیا ہے امی......مہمانوں کو تو بخش دو......اور مجھے پورے لہور میں کوئی ایسی لڑکی دکھا دو۔ جو منہ پھاڑ کے نہ ہنستی ہو......کئی ایک کے تو آخری داڑھ تک......بلکہ کوا تک نظر آتا ہے۔''

''تو بڑے غور سے کڑیوں کو دیکھتا ہے؟''

چاچی جی کو الگ صدمہ لاحق ہو گیا......ویسے بھی ملنے جلنے والیاں ان کو اکثر یہ دھڑکا لگائے رکھتی تھیں کہ جواں بیٹے کو کسی کھونٹے سے نہ باندھا تو وہ ادھر اُدھر منہ ماری کرنے لگے گا۔

''انسان ہوں......کولہو کا بیل نہیں ہوں جس کی آنکھوں پہ کھوپے چڑھا کے چھوڑا ہو......کہ بس چکر لگائی جاؤ......نظر کچھ نہیں آتا۔''

''پر مجھے بڑا کچھ نظر آرہا ہے۔''

چاچی نے شک بھری نظروں سے اسے گھورا۔

''آج کل تیار بھی بڑا رہنے لگا ہے۔

ٹانگوں سے چمٹی پتلونیں۔

آدھے بازوؤں کی شرٹیں۔

خوشبو والی کریمیں

اوپر سے کھرچ کھرچ کے شیو بنانا

تیرے رنگ ڈھنگ مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگتے ندیم۔''

اس کو اوپر جاتے دیکھ کے وہ تشویش سے بڑبڑائیں۔

☆☆☆

''ہور سنا پتر...... کیسے گزرے پردیس کے دن۔''

دادا جی کی ایئر پورٹ والی شرمندگی ذرا کم ہوئی تو رات کو سارے گھر والوں کے جھگھٹے میں اس سے پوچھا...... دن تو سرفراز کی فیملی کا سوتے گزرا تھا۔ ان کے جاگنے کے انتظار میں باقی سب بھی اونگھتے ہی رہے۔

کسی کو سوٹ کیس کے کھلنے کا انتظار تھا۔

کسی کو سرفراز انکل کے خود کھلنے کا انتظار تھا۔

اور ارم اور ندیم کو اپنی اپنی قسمت کے کھلنے کا انتظار تھا۔

''بس ابا جی...... شکر ہے اللہ کا...... بڑی عزت دی ہے اس کی ذات نے۔''

تاؤ جی اشرف اور چاچا جی سہیل کے منہ ذرا سے لٹ گئے...... انہیں تو کچھ اور سننے کی چاہ تھی مثلاً

''بس جی...... پردیس کی زندگی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے...... کچھ نہ پوچھو...... بڑی کتے والی ہوئی ہے میرے ساتھ...... وغیرہ...... وغیرہ۔''

اور تب وہ جواب میں اس کے ولایت جانے کے نقصانات اور مضمرات پہ روشنی ڈالتے...... بلکہ کچرے کا ڈھیر ڈالتے اور اپنے ہوشمندانہ فیصلے کی داد اس سے زبردستی وصولتے کہ انہوں نے نامساعد حالات کے باوجود ملک کی مٹی نہ چھوڑی...... یہیں رہ کے بم دھماکوں...... مہنگائی...... ڈینگی...... برڈ فلو...... سیلاب اور کالے چوروں سے بڑھ کے حکمرانوں کا یکے بعد دیگرے سامنا کیا۔

''اتنی اچھی گزری ہوتی تو پھر وطن واپس کیوں آتا تو؟''

دادا جی نے بیٹوں کی دل کی بات کی۔

وہ دونوں کھل اٹھے۔

''ابا جی...... بری گزری ہوتی تو اتنے سال پہلے ہی واپس آ گیا ہوتا...... دراصل میں نے بتایا تو تھا کہ بچوں کی شادی اور ان کے رشتے کے سلسلے میں واپس آنا ہوا ہے۔''

''بچوں کے؟''

دادی چونکیں۔

''پہلے تو تم نے صبا کے رشتے کی بات کی تھی۔''

''ہاں...... مگر پھر سوچا تو یہی فیصلہ کیا کہ بہو بھی یہاں سے ہی لے جاؤں...... روز روز کہاں پاکستان آنا ہوتا ہے۔''

ارم تو شرمانے کے بہانے دوپٹہ دانتوں میں دبائے وہاں سے اٹھ کے چلی گئی...... مگر فریحہ باوجود چاچی کے ٹہوکوں کے ٹس سے مس نہ ہوئی...... وہ ان خیالات کی تہہ تو کیا سطح تک بھی پہنچنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی جو چاچی کے دل میں پیدا ہو رہے تھے۔ اس کی ساری دلچسپی تو بس بند سوٹ کیس تک محدود تھی جو کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

سرفراز انکل البتہ تھوڑا سا اور کھلے۔

''حالانکہ جوڑی ذرا ہچکچا رہی تھی...... اصل میں اس نے اپنی کچھ انڈین اور پاکستانی فیملیز سے وٹے سٹے کی شادیوں کے بارے میں بہت کچھ غلط سن رکھا ہے...... اسے ڈر تھا اس شادی بلکہ شادیوں کا نتیجہ بھی یہی کچھ نہ ہو...... مگر میں نے اسے تسلی دی ہے کہ اب وہ دور نہیں رہا اب کہاں یہ سب ہوتا ہے اور پھر نئی نسل تو بہت سمجھ دار اور باشعور ہے وہ ان باتوں کو اہمیت نہیں دے گی۔ کیوں سہیل! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟...... ہے ناں اشرف بھائی جان۔''

''ہاں ہاں...... بالکل۔''

''اور کیا؟...... آج کل ان باتوں کو کون پوچھتا ہے؟''

دونوں زور وشور سے سر ہلا ہلا کے تائید کر رہے تھے چاچی سے اگرچہ کسی نے دریافت نہیں کیا تھا مگر ان کا بھی مٹکے جیسا سر ایک ردھم سے ہل رہا تھا۔ ہونٹوں پر بڑی میدان مار لینے والی مسکراہٹ تھی۔ لفظ وٹے سٹے نے ان کے اندر پھول ہی پھول کھلا ڈالتے تھے۔ ظاہر ہے ان کا ندیم اور ان ہی کی فریحہ...... ندیم کی بھی باچھیں کھل اٹھیں البتہ فریحہ ابھی تک حریصانہ نظریں سوٹ کیس پہ گاڑے بیٹھی تھی۔

اس بار چاچی نے صرف ٹہوکنے پہ بس نہیں کیا۔ پورے کا پورا ہلا ہی ڈالا بےچاری کو...... اور دبی آواز میں گھرکا بھی۔

''جا...... دفع بھی ہو اندر...... تیرے سامنے وہ کھل کے بات کیسے کرے گا۔ اندر م''

وہ برے برے منہ بناتی اٹھ گئی۔

ندیم مگر اور بھی پھیل کے بیٹھ گیا......

ان کی امیدیں جو بر آنے والی تھیں۔

''مگر سرفراز...... وٹہ سٹہ پھر وٹہ سٹہ ہوتا ہے......اونچ نیچ تو ہو ہی جاتی ہے۔''

دادا جی کے بلا وجہ نکتہ اٹھانے پر چاچی جی اور ندیم دونوں نے انہیں سخت نظروں سے گھورا......

''نہیں ابا جی...... جب ہم کسی کی بیٹی کو اپنی بیٹی سمجھیں گے تو وہ بھی ہماری بیٹی کو اپنی بیٹی سمجھے گا......بس انسان کو خود ٹھیک ہونا چاہیے...... ہے ناں بھابی۔''

اس بار چاچی کو عزت بخشی گئی۔

''ہاں ہاں...... بیاہ کے آنے والی بھی بیٹی...... رخصت ہو کے جانے والی بھی بیٹی...... بلکہ دوہرے رشتے سے تو اور بھی تعلق مضبوط ہوتا ہے۔''

بڑھ چڑھ کے حمایت انہوں نے نہیں کرنی تھی تو کس نے کرنی تھی۔

''اور ویسے بھی...... ابھی میں نے کون سا طے کیا ہے کہ میں وٹہ سٹہ پر اپر کروں گا...... یا''

''پر اپر؟...... وہ کیا ہوتا ہے انکل جی؟''

روبینہ نے بھی ''ر'' کو رگیدنے کے لیے ہی منہ کھولنا تھا۔

''میرا مطلب ہے ایک وٹہ سٹہ تو وہ ہوتا ہے جو دو سگے بہن بھائیوں کی دوسرے سگے بہن بھائیوں سے شادی کو کہتے ہیں...... لیکن اگر دو سگے بہن بھائیوں کی شادی دو کزنز کے ساتھ ہو تو اسے تو وٹہ سٹہ نہیں کہیں گے ناں......؟''

اس پہ جہاں تائی امی کا مرجھایا ہوا چہرہ پھر سے اصل تاب و تاب میں آ گیا...... وہیں چاچی جی ذرا بجھ سی گئیں......ندیم البتہ اب بھی پُرامید تھا...... بلکہ پُر یقین۔

کیونکہ صبا کے لیے تو وہ پورے گھر میں اکلوتا امیدوار تھا۔

وہ مسلسل مسکرائے گیا۔

☆☆☆

''بھلا کیا تھا جو سرفراز میری فریحہ کو پسند کر لیتا۔ اسے بھی اپنے اچھے بھلے لڑکے کے لیے

ارم ہی نظر آئی تھی۔ پھوہاندری۔''

چاچی جی کا پارہ ہائی تھا۔

''چلو......فریحہ نہ سہی......ارم سہی......وہ بھی اپنی بچی ہے۔''

مگر سہیل چاچا جی کا یہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ ان کی بیگم کو ذرا پسند نہ آیا۔

''ایویں اپنی ہے......اپنی اپنی ہوتی ہے......میں تو کہتی ہوں چاہے وہ ندیم کو جوائی بنانے کا فیصلہ نہ کرتے......فریحہ کو بہو ضرور بنا لیتے......اگر ہمارے دونوں بچوں سے رشتہ کرتے ہوئے انہیں وٹے سٹے کا وہم تھا تو......''

''پاگل ہوئی ہے؟ ناشکری نہ کر......ندیم کے دن پھر گئے ہیں......زندگی بن جائے گی اس کی سرفراز کا جوائی بن کے۔''

''اس نے تو کسی نہ کسی کا جوائی آسانی سے بن ہی جانا تھا......لڑکوں کا کیا ہے......مگر بیٹی ٹھکانے لگانا بڑا مشکل ہے آج کے زمانے میں۔''

''اب وہ وقت نہیں رہا......مردوں کو بھی قدم جمانے کے لیے اتنے ہی ہاتھ پیر مارنے پڑتے ہیں جتنے بیٹی کے لیے رشتہ تلاش کرنے میں......ادھر اس نے کیا کرنا تھا......چائنہ کے آئے پوتڑے ہی تھڑے پہ بیٹھ کے بیچنے ہیں......ولایت جائے گا تو سرفراز کی طرح باؤ بنے گا...... پیسے کمائے گا......اس کے بچے فرفر انگریزی بولیں گے۔''

''ہاں......مگر......فریحہ......''

ان کی سوئی اب تک اسی پہاڑ تلے دبی تھی۔

''باہر کی کمائیاں آئیں گی تو رشتے بھی تگڑے آئیں گے۔ جس کا اکلوتا بھائی ولایت سے جہیز بنا بنا کے بھیج رہا ہو......اس بہن کا رشتہ دیکھنا کتنی اونچی جگہ ہوتا ہے۔''

آخر کار چاچا جی انہیں تسلی دینے اور امید لانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

☆☆☆

ادھر دوسرے کمرے میں ارم اترا رہی تھی اور تائی امی اس کی بلائیں لے رہی تھی۔

''دیکھا اجمل کے ابا......کیسے دن رات تم مجھے طعنے دیتے تھے کہ میں نے بیٹی کا کچھ نہیں سوچا...... بیٹے بیاہ دیئے......لو......اب دیکھو......کیا ہے کہ نہیں بیٹی کا رشتہ......وہ بھی ایسی اچھی

جگہ پر......''

''نہ اس میں تیرا کیا کمال ہے؟''

تاؤ جی اشرف بیوی کے اس سیانے پن پہ چیں بہ چیں ہوگئے کہ کیا سب کچھ اپنے کھاتے میں ڈال لیا۔

''آخر میری تربیت ہے یہ......جو سرفراز نے فریحہ کو چھوڑ کے ارم کو پسند کیا ہے اویس کے لیے......حالانکہ دیکھا جائے تو فریحہ کی شکل اپنی ارم سے لاکھ درجے اچھی ہے۔''

وہ اپنی سادگی میں بیٹی کی دم پہ پاؤں رکھ بیٹھیں۔

''امی جی۔''

وہ شرمانا بھول کے بلبلا اٹھی......تو تائی امی گڑبڑا سی گئیں اور اس گڑبڑاہٹ میں مزید گل فشانی کر گئیں۔

''میرا مطلب ہے شکل تو اس کی ایویں سی ہے......مگر عمر کافی کم ہے ناں ارم سے......مگر دیکھ لو......اتنی پکی عمر کی ہونے کے باوجود میری ارم ہی بازی مار گئی۔''

''امی جی۔''

اس بار وہ احتجاجاً پیر پٹختی وہاں سے نکل گئی۔

''لے......رُس گئی......''

''جی نہیں......شرما رہی ہے۔''

☆☆☆

سرفراز کتنا سیانا نکلا......میں نے کہا جی۔''

دادی نے گھٹنوں پہ بام ملتے ہوئے کہا۔

''کھے تے سواہ سیانا......میرے لیے کھٹے رنگ کی تو شرٹ لے آیا ہے......اب میں اس عمر میں پتلون شرٹ پہنتا اچھا لگتا ہوں......وہ بھی کھٹے رنگ کی......بوسکی کا سوٹ لے آتا۔''

''ہائے ہائے......میں اس کے رشتے والی بات کا کہہ رہی ہوں......سہیل سے کتنا آڑا لگا کے گیا تھا......مگر آیا ہے تو اسی سے رشتہ پکا کر رہا ہے۔''

''پر......وٹہ سٹہ۔''

وہ اب بھی متذبذب تھے۔

''کیہڑا اوٹہ سٹہ ندیم بھی چاچے کا جوائی بن رہا ہے اور اویس تائے کا جوائی......سارے اکو خون ہیں......تسی نویں نویں مسئلے نہ اٹھاؤ۔''

☆☆☆

''پتر......اپنی زنانی کو بھی لے آتے ساتھ۔''

کہیں دوسرے دن جا کے دادی نے دل بڑا کرتے ہوئے یہ سوال کر ڈالا۔ حالانکہ بے چارہ سرفراز کب سے منتظر تھا کہ کوئی تو اس بے چاری کا بھی نام لے......مگر اب رشتوں کا ذکر چھیڑنے کے بعد وہ اس عزت افزائی کے قابل سمجھا گیا کہ اس کی نصف بہتر کے بارے میں استفسار کیا جاتا۔

دادی کے پوچھنے کی دیر تھی۔

سمجھو......دیگ کا ڈھکن اٹھ گیا۔

سب بڑھ چڑھ کے جوڑی کو یاد کرنے لگے۔

''ہاں سرفراز......وہ کیوں نہیں آئی؟''

''اب تک ناراض ہے کیا؟''

''اس کے تل ختم ہوئے کہ عمر بڑھنے کے ساتھ اور بھی بڑھ گئے ہیں۔''

''اسی طرح سوکھی سڑی ہے کہ کوئی ماس بوٹی بھی چڑھا ہے اسے؟''

''ہا......ہائے......پچھلی واری اسے کتنا شوق تھا گاں مجاں دیکھنے کا......اور گوبر کے اپلے دیواروں پہ لگے دیکھنے کا......اب لے آتے تو کہیں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کے دکھا ہی دیتے اسے۔''

''وہ بیمار ہے......آنہیں سکتی۔''

سرفراز انکل کے آہ بھر کے کہنے پہ پھر سے سوالوں کا تابڑ توڑ سیشن شروع ہو گیا۔

''کیا ہوا اسے؟''

''میری طرح جوڑوں کا درد؟''

''نہیں بھابی......آپ کے جوڑ تو اتنے وزن کی وجہ سے دب گئے ہیں۔ وہ تو سوکھی ہوئی تھی......پتلے بندے کو کیا ہونی ہے جوڑوں کی تکلیف۔''

''نی تجھے کیا پتا......ہوسکتا ہے اب وہ پائنے (پھٹنے) والی ہوگئی ہو......بندے کے موٹا ہونے

کا کوئی پتا چلتا ہے۔"

"لگتا ہے چاچی جی کو بلڈ پریشر ہوگیا ہوگا۔"

"لو ہی موا ہوگا...... پتلے بندے کا ہائی تو نہیں ہوتا۔"

تائی امی سے کسی کی سمارٹ نیس اور دبلے پن کا ذکر ہضم نہیں ہوتا تھا۔

"پتلی تو وہ تب تھی جب کڑی تھی......اب بال بچوں کے بعد ھورے کتنی موٹی ہوگئی ہو۔"

"فیر تے شوگر وی ہوگئی ہوگی۔"

دادی جی نے قیاس ظاہر کیا۔

"گردے تے نہیں فیل ہوئے شوگر سے۔"

دادا جی دور کی کوڑی لائے پھر خود ہی حل پیش کر دیا۔

"ڈولس کرالینا......ادھر یتیم خانے کے چوک کے پاس جو ہسپتال ہے وہاں مفت ہوتے ہیں بس سفارش لڑانی پڑتی ہے۔"

"ڈولس؟"

"دادا جی کا مطلب ہے ڈایالس"

فریحہ نے سرفراز انکل کا کنفیوژن دور کیا۔

"او، اچھا، اچھا، نہیں، نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ڈایالس کی نوبت......"

مگر اس بیچارے کو بات پوری کرنے کا موقع کس نے دینا تھا۔

"ایسا کر......تو اپنا ایک گردہ زنانی کو دے دے۔"

تاؤ جی اشرف کے مشورے پر وہ ہکا بکا رہ گئے۔

"جی؟"

"ہاں......تو کیا ہے......بڈھی ہے تیری......ویسے بھی ایک گردہ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔"

"چل چل......کام کر......میرا سرفراز کیوں دے اپنا گردہ۔"

دادی کی ممتا جاگ گئی۔

"تو ندیم سے کہہ......ساس کو گردہ دے دے۔"

دادی کے مشورے پہ چاچی تلملا گئیں۔

"یہ ندیم کا نام کیوں لے رہی ہیں آپ۔"

اور بے چارے سرفراز کی سمجھ سے یہ بات باہر تھی کہ ندیم تو ندیم......اس کی ساس کا نام کیوں لیا جا رہا ہے۔

"بتائیں ناں انکل......کیا ہوا ہے آنٹی جی کو؟"

ارم نے اس ڈر سے یہ سوال کیا کہ کہیں اس سے بھی یہ مطالبہ نہ کر دیا جائے کہ وہ ہونے والی ساس کو اپنا گردہ دے دے۔

"اسے کینسر ہے......برین ٹیومر......اور لاسٹ سٹیج ہے۔" سب کو سانپ سونگھ گیا۔

اگرچہ دادا اور دادی کو کینسر کے لفظ کے علاوہ اور کچھ سمجھ نہ آیا۔ مگر سرفراز کے چہرے کی ویرانی اس کے لہجے کی کپکپاہٹ اور آنکھوں کی نمی انہیں بہت کچھ سمجھا گئی

سب کی نظروں کے سامنے جوڈی کا ہنستا مسکراتا پرخلوص اور بے ریا چہرہ گھوم گیا۔

وہ......جس کے نقش اس قدر دلربا بھی تھے کہ کوئی دیکھتے ہی فدا ہو جائے......مگر اسے دلوں میں گھر بنانے کا فن آتا تھا۔

وہ......جو اپنے صاف ستھرے معطر فضاؤں والے دیس سے......ان تنگ و تاریک گلیوں میں بنے گھٹن کے مارے گھر میں آ کے بھی بہت خوش تھی......کسی نے اس کے ماتھے پر بل نہ دیکھتے تھے۔

نہ گرمی اور حبس سے گھبرا کے کبھی وہ بے چین ہوئی۔

نہ تالیاں مار مار کے مچھروں کا شکار کرتی تنگ پڑی۔

نہ کھڑکی سے چھلانگ مار کے واش روم جانے والے طریقہ پہ ناک بھوں چڑھائی۔

بڑے مزے سے چوکی پہ بیٹھ کے کھانا کھالیتی۔

جو پہنایا جاتا خوشی خوشی پہن لیتی۔

دن میں اسی لوگ بھی ملنے آتے تو کبھی ماتھے پہ تیوریاں نہ ڈالتی......ہنس ہنس کے سب سے ملتی۔

"ہا......ہا......ھک......ہا"

دادی نے سرد آہ بھری اور دوپٹے سے اپنی نم آنکھیں مسلیں۔

سب ہی اداس سے ہو رہے تھے۔

''اس کی بڑی خواہش ہے کہ اس کی زندگی میں ہی اس کے بچوں کی شادی ہو جائے۔''

سرفراز انکل نے بمشکل مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس لیے میں نے سوچا ہے اسی ہفتے سب کچھ فائنل کرلوں۔''

☆☆☆

''ہائے......ہائے......ایک ہفتہ۔''

تائی امی کے صحیح ہاتھ پیر پھولے۔

''میری تو کوئی تیاری بھی نہیں......''

''تیری اکمل اجمل کی دفعہ کون سی تیاریاں پوری تھیں بھلی لوکے''

تاؤ جی نے پچھلا ریکارڈ یاد دلایا۔

''منگنی والے دن تک انگوٹھی نہیں لی تھی تو نے......بارات نکل گئی تو ''بد'' لینے کا خیال آیا......دلہن گھر لانے کے بعد کمرہ سجانا شروع کیا۔''

''ہاں تو تسی کون سا صحیح تھے......نکاح کے ٹیم یاد آیا کہ مولوی کو کسی نے بلایا نہیں۔''

وہ کون سا کم تھیں ماضی کریدنے میں......

''اب تیاریاں کون سی کرنی ہیں......ارم نے بیاہ کے سرفراز کے ساتھ ولایت ہی جانا ہے......نہ فرنیچر لینا ہے......نہ فریج ٹی وی......''

''کپڑا لتا تو لینا ہے......زیور تو بنانا ہے۔''

''تو نے کچھ جوڑ نہیں رکھا۔''

''دیتے کیا ہو جو جوڑوں!''

''اور جو تیرا اپنا زیور ہے؟''

''کیہڑا زیور! اکمل اجمل کو بھی ڈالا تھا بری میں۔''

''صحیح کہتے ہیں سارے......تو نے بیٹوں پہ سارا کچھ لٹایا......بیٹی کا نہ سوچا۔''

ان دونوں میں نئے معرکے کے آغاز ہوگیا۔

☆☆☆

ادھر حلیمہ، سلیمہ کو پتا چلا بھائی کے رشتے کا......تو ساری ناراضگی بھول کے بچے اور سامان اٹھائے میکے بھاگی آئیں۔

''ہائے......اللہ......یہ؟ اس سے کرنی ہے ندیم کی شادی؟ یہ تو نرگس لگتی ہے پنجابی فلموں والی۔''

''دند کتنے باہر ہیں۔''

''ناک کتنی پھینی ہے۔''

''بل (ہونٹ) کتنے موٹے ہیں۔''

''بس کرو......اچھی بھلی تو ہے۔''

ندیم سے صبا پر تنقید برداشت نہ ہوئی۔

''باتیں تو ایسے کر رہی ہیں جیسے خود بڑی کوئی حور پریاں ڈھونڈی ہوں میرے لیے۔''

''دیکھ لو امی......یہ تو شادی سے پہلے ہی پرایا ہوگیا۔''

حلیمہ نے چادر کے پلو سے ناک سکوڑی۔

''اسی لیے تو میں فریحہ سے پہلے اس کا نہیں کرنا چاہتی تھی۔''

چاچی جی ابھی تک تشویش کا شکار تھیں۔

''اچھا چھڈو ساری باتیں......یہ بھی تو خوشی کی بات ہے کہ ہمارا ویر ولایت جائے گا۔''

''میری کاکیوں کے لیے فرل والے فراک بھیجنا۔''

''اور میرے لیے اونچی ایڑی والی سینڈل۔''

''چلو......فرمائشیں بھی شروع۔''

ندیم میں ابھی سے باہر والا نخرہ آگیا تھا۔

''اور بات سن ندیم۔''

حلیمہ نے ذرا پاس سرکتے ہوئے اس کے کان میں عاجزداری سے کہا۔

''چاچی کی......یعنی اپنی ساس کی خدمت کرنا۔''

''دفعہ دور......میرا پتر گھر جوائی ضرور بن رہا ہے مگر نوکر نہیں۔''

چاچی کو یہ خدمت والی صلاح پسند نہیں آئی۔

"سمجھا کرو ناں امی جی......چاچی کا آخری وقت آگیا ہے......باہر کے ملکوں میں میمیں بڑی سیانی ہوتی ہیں......سارا روپیہ پیسہ......جائیداد......مرد کے نہیں......عورت کے نام ہوتا ہے......وہ مرتے وقت ہمارے بھائی سے خوش ہوگی تو اس کے نام بڑا کچھ کر کے جائے گی۔"

بیٹی کے مخلصانہ اور دور اندیش مشورے پہ چاچی جی کے خیالات نے فوراً پلٹا کھایا۔

"آھو......ویسے بھی ساس بھی ماں ہی ہوتی ہے اور بیمار کی خدمت کرنے کا ثواب بھی بڑا ہے۔"

☆☆☆

"وہ جی......آپ کی شرٹ۔"

ارم نے شرماتے لجاتے استری کی ہوئی شرٹ اویس کے سپرد کی۔ جو باپ کے ساتھ کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

"تھینکس"

اویس نے بڑی مشکور نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے خاصی تہذیب سے کہا۔

یہ الگ بات ہے کہ وہ نظریں ارم کو بڑی محبوب......اور لہجہ خاصا عاشقانہ لگا وہ خواہ مخواہ شرما گئی۔

"اور کوئی کام ہے تو بتا دیں۔"

"میرا فون چارجنگ میں لگا دیں گی پلیز!"

"جی......جی"

وہ بڑی مستعدی سے آگے بڑھ کے اس کا فون اٹھا کے اس میں چارجر گھسیڑنے لگی......

منحوس پن بھی اندر ہی نہیں جا رہی تھی......اپنے لیے ٹائی میچ کرتے اویس نے نوٹ کیا کی کافی دیر سے وہ رخ موڑے کھڑی کچھ کھسر پسر کر رہی تھی تو متوجہ ہوا

"What's the problem"

"ہیں جی!"

وہ ہٹپٹا گئی۔

اتنی تھوڑی بہت انگریزی تو آتی تھی مگر سمجھ لینا اور بات ہے......جواب دینا اور بات......وہ

گھبرا کے ہاں میں سر ہلانے لگی۔

"جی......جی......پرابلم۔"

وہ پاس آیا تو کوفت سے بڑبڑا کے رہ گیا۔ اُس نے چارجر کی پن ہیڈ فون والی جگہ میں زبردستی گھسیڑ کے فون کا بھی کباڑا کر دیا تھا اور چارجر کا بھی۔

"What the hell is this."

اویس کے ماتھے پہ پڑی تیوریاں اور ناگواری سی بڑبڑاہٹ بھی ارم کو بڑی رومانٹک لگ رہی تھی وہ......وہ شرما کے دوپٹہ چباتی وہاں سے بھاگ گئی۔

اور اویس فون کو چھوڑ کے اب اس بات پر غور کرنے لگا کہ کیا ایسی لڑکیاں ڈانٹ کھا کے بھی شرماتی ہیں!"

☆☆☆

"آیا لاڑھیئے......نی تیرا......سہریاں والا......
ویاھون آیا......"

صبا الگ حواس باختہ تھی کہ اسے دیکھتے ہی حلیمہ سلیمہ مسکرا کے یہ راگ کیوں الاپنے لگتی ہیں۔

"آپ میرا مذاق بنا رہی ہیں!"

آخر اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھ ہی لیا۔

"ہائے اللہ......مذاق کیوں......ہم تو شگن کے گیت گا رہے ہیں۔"

"یہ کونسا شگن ہے؟"

"کون سا؟"

"یہی......شگن"

"بھئی میرا مطلب ہے......خوشی کے گانے......شادی بیاہ کے گیت......تم دلہن بننے والی ہو......تمہاری شادی ہونے والی ہے تو ہم ذرا ریہرسل کر رہے ہیں۔"

"اوہ......آئی سی۔"

وہ قدرے ریلیکس ہوئی۔

مگر حلیمہ سلیمہ اتنی ہی بے آرام۔

"بھئی کیسی دیدہ ہوائی ہے......اپنی شادی کا سن کے نہ شرمائی......نہ گھبرائی......سکون کی سانسیں بھر رہی ہے۔"

حلیمہ نے سلیمہ کے کان میں سرگوشی کی۔

"ہاں تو باہر کی جو ہوئی......اب اتنا تو دل مارنا ہی پڑے گا ناں ہمیں۔"

سلیمہ نے اس کا ہاتھ دبا کے مصلحتاً صبا کی بے حیائی پی جانے کا مشورہ دیا۔ بعد میں دونوں بہوں نے اس دردِ مشترک پہ سر جوڑ کے جذباتی سا مذاکرہ کیا۔

"ہائے ہائے......کیا کیا سوچا تھا......بھابی آئے گی......خوب دنگل لگیں گے......میکے آنے کا سواد آیا کرے گا...... بڑے دند کھٹے کریں گے اس کے......روبینہ بھابی اور مسرت بھابی ایک تو سگی بھرجائیاں ہیں......دوسری بڑی تیز ہیں بھئی......انہوں نے ہمیں کبھی جیتنے ہی نہیں دینا۔"

☆☆☆

سارا دن باہر رہنے کے بعد جب سرفراز انکل اور اویس واپس لوٹے تو خوشی سے ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں مٹھائی......

دادی کی نظر کمزور تھی تو کیا ہوا سونگھنے کی حس ابھی تک بہت بیدار تھی......انہیں دور ہی سے دیسی گھی کے بنے پتیسے کی خوشبو آ گئی۔

"نی......سرفراز مٹھائی لایا ہے......بلا ندیم کو فون کر کے......اسے کہہ بیو کو لے کے جلدی گھر پہنچے......چاچا اسے شگن دینے والا ہے۔"

انہوں نے چاچی جی کو فون کرنے بھگایا اور تائی جی نے ارم کو میک اپ کرنے۔

"منہ پہ پوچا مار کے لپ سنک شک نک لا لے۔ اویس کے ہاتھ میں ڈبے بھی ہیں منگنی کا جوڑا اور انگوٹھی لے آیا ہوگا۔"

پورے گھر میں بھگدڑ مچ گئی۔

دادا جی کی شوگر کے باوجود سرفراز نے ان کے منہ میں پتیسہ ٹھونسا۔

"ابا جی......منہ تو میٹھا کریں......آپ کے پوتے اور پوتی دونوں کی بات پکی ہوگئی ہے۔"

"لے......پوتی اور پوتا؟ پوتیاں اور پوتے کہہ......میرے لئے تو چاروں بچوں کی خوشی ایک برابر ہے۔"

"چاروں کی؟"

"آہو......اویس کی......صبا کی......ندیم کی......اور ارم کی......اور ارم کے نصیب کھلنے کا تو میں بڑے سالوں سے انتظار کر رہا تھا۔ چلو......اچھا ہے۔ اپنی زندگی میں اس کو وہٹی بنا دیکھ لوں گا اور ندیم کا بوتھا بھی ہر ویلے بنا رہتا تھا۔ اس کی سیانی بیانی ماں نے ضد جو باندھی ہوئی تھی کہ پہلے فریحہ کی شادی......فیر ندیم کی......چلو۔ اسکی بھی ضد ٹوٹی۔"

"ارے واہ......ندیم اور ارم کی شادی کر رہے ہیں آپ لوگ!"

سرفراز نے چہک کے کہا تو سب مٹھائی منہ میں بھرے کبھی ایک دوسرے کو تو کبھی سرفراز کو تکنے لگے۔

"مگر ابا جی......ارم تو ندیم سے کچھ سال بڑی نہیں ہے؟"

ان کے دبے لفظوں میں اٹھائے اعتراض کو ان ہی کے سپوت نے مکھی کی طرح اڑا دیا۔

"سو واٹ ڈیڈا اتنا تھوڑا بہت ایج ڈفرنس تو چلتا ہے۔ کیوں دادی؟ آئی تھنک......ارم ندیم کے ساتھ سوٹ کرے گی۔"

دادی کے منہ میں چم چم اور آنکھوں سے آنسو چھم چھم۔

"اوہو امی......اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ ارم رخصت ہو کے بھی کون سا آپ کے پاس سے جانے والی ہے۔ یہیں تو رہیں گے دونوں بچے۔"

ارم کا ولایت جانے والا جہاز ٹھس کر کے نیچے گر گیا۔

"یہ بھی اچھا ہے......کہ میرے ہوتے ہوئے یہ شادیاں کر دیں آپ لوگ......بلکہ صبا اور اویس کی شادیوں کے ساتھ ہی یہ شادی بھی رکھ دیں۔"

"صبا......اور اویس کی شادی؟"

سب سے پہلے تاؤ جی نے اپنے حلق میں پھنسے میسو کو آگے نگلا......اف......بڑا چھیل کے نکلا تھا کم بخت۔

"ہاں......آپ کو بتایا تھا ناں کہ ابھی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اس لیے اویس کو لے گیا......لڑکی سے ملوانے اسے پسند آئی تو وہیں ہاں کر دی۔"

اب سارے نہ تو مٹھائی نگلنے جوگے......نہ اگلنے جوگے۔

داداجی نے تیسرا راستہ نکالا اور مٹھائی بھرے منہ کے ساتھ پوچھا۔

''اوئے......تو تو کہہ رہا تھا اِدھر صبا کے رشتے کے لیے آرہا ہے؟''

''جی!''

مٹھائی بھرے منہ سے نکلنے لفظ......حرام ہے جو پلے پڑے ہوں تو......

داداجی نے پتیسے کا چبایا ہوا ''گتاوا'' پرے تھوکا اور پھاڑ کھانے کے انداز میں اپنا سوال دھرایا۔

''ہاں تو رشتہ کرنے ہی تو آیا تھا۔''

''اور وہ وٹہ سٹہ۔''

''ہاں......جہاں صبا کے رشتے کے بات چل رہی ہے ان کی بھانجی کے لیے اویس کا کہہ رہے تھے وہ۔''

''کون وہ؟''

تاؤجی نے دانت کچکچا کے پوچھا۔

بس نہ چل رہا تھا ''وہ'' کو چوک پہ کھڑے کر کے پھینٹی لگوائیں۔

''میرا ایک دوست ہے وہاں میرے ساتھ......اس کی فیملی یہیں پاکستان میں رہتی ہے......اس کا بیٹا اب میرا ہونے والا داماد ہے......انجینئر ہے......بہت قابل......بہت خوبرو اور اس کی بیٹی جس سے اویس کا رشتہ طے کیا ہے ہاؤس جاب کر رہی ہے۔''

دروازے سے اندر داخل ہوتا ندیم وہیں بُت بن گیا۔ ہاتھ میں پکڑے امرتسری لڈو ایک ایک کر کے نیچے گر گئے۔

☆☆☆

''اس ولایتی نینڈے نے بڑا برا بدلہ لیا ہے۔''

سہیل چاچا جی پریشر ککر بنے چوں چوں کرتے پھر رہے تھے سارے صحن میں۔

سرفراز انکل کی ساری فیملی ان کے ہونے والے سمدھیوں کے ہاں ڈنر پر انوائیٹ تھی۔

''تسی مانو نہ مانو......اس نے اتنے سال پہلے ہونے والی اپنی بے عزتی کا بدلہ لیا ہے۔ میرے بیٹے کو آس دلا کے توڑی ہے۔''

''کون سی بے عزتی؟''

ندیم کے کان کھڑے ہوئے تو باپ کو اپنی جلد بازی کا احساس ہوا۔

''کوئی نیں......کوئی نیں......تو ہر بات کی ٹوہ نہ لیا کر۔''

''ہائے۔کتنا کہہ رہا تھا سرفراز ساتھ چلنے کو۔''

دادی کو رہ رہ کے بیٹے کے ساتھ نہ جانے کا قلق ہو رہا تھا۔ جو بھی تھا......ان کے لیے تو ساری اولاد ایک جیسی تھی۔ ندیم کے باہر نہ جانے اور ارم کے پھر سے رشتے کے انتظار میں بیٹھ جانے کا افسوس اپنی جگہ......مگر اویس اور صبا کی شادی کی خوشی اپنی جگہ......وہ بھی تو پوتا پوتی تھے۔

''ہمارے دشموں کے گھر جا کے کھانا کھانے کے بڑے ارمان ہیں آپ کو۔''

تائی جی بلک بلک گئیں۔

اندر ارم کا رو رو کے برا حال تھا۔

ندیم تو خیر بھڑاس نکال چکا تھا غائبانہ طور پر چاچے کے سارے خاندان کو کوسنے دے کر......

اجمل ان کو نمازِ شکرانہ پڑھنے کے مشورے دے رہا تھا کہ فرنگیوں سے رشتہ گہرا کرنے سے بچ گئے۔

اکمل حسب عادت سارے معاملے کو ''منی پاؤ'' کہہ کر نظر انداز کرتا الحمرا نکل گیا...... دیدار کا شو دیکھنے۔

☆☆☆

شام کو سرفراز کی واپسی ہوئی تو سب کے منہ پھولے ہوئے تھے ان میں سے کسی کو اپنے سلام کا بھی تسلی بخش جواب نہ ملا تھا۔

''آپ لوگ بھی چلتے تو میرے سمدھیوں سے مل لیتے، بڑے اچھے لوگ ہیں۔''

''لعنت......دفع دور۔''

سب نے با آواز بلند کہا تو سرفراز انکل حیران رہ گئے۔

''نہیں......نہیں......یقین کریں۔ بڑے اچھے لوگ ہیں۔''

''ہوں گے تو اپنے گھر ہوں گے......سانوں کی۔''

''اچھا......میں نے تو سوچا تھا آپ لوگ ایک بار ان سے مل لیتے۔''

"ساڈی ملتی ہے جوتی۔"

تائی جی نے لہجے میں دنیا جہان کی بے زاری بھر کے کہا۔

"مگر میں تو چاہتا تھا بھابی......آپ ضرور ہی ملیں۔"

"کیوں؟"

تیوری چڑھا کے پوچھا گیا۔

"ظاہر ہے۔آپ لڑکی کی ماں ہیں ساس کے بارے میں جو فیصلہ کرنا ہے آپ نے ہی سوچ سمجھ کے کرنا ہے۔"

"ہیں۔"

گفتگو کا رخ بدلنے پر سب ٹھٹکے۔

"دیکھ اوئے سرفراز ...... پہلے بھی تیریاں گھسن گھیریاں باتوں سے بڑی غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔اب تو باز آجا۔سیدھی اور صاف بات کر۔"

"سیدھی بات ہی تو کر رہا ہوں۔صبا کے ہونے والے شوہر کا بڑا بھائی......یعنی جیٹھ......وہ اب تک کنوارا ہے......کچھ سال پہلے اس کا نکاح ہوا تھا......مگر رخصتی سے پہلے طلاق ہوگئی......انہیں ارم جیسی گھریلو اور پیاری بچی چاہیے......میں تو چچا بن کے اپنے طور پر رشتہ تقریباً آدھا طے کر آیا تھا......اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ......"

"ہیں ارم کے لیے۔"

"رشتہ!"

"کون ہے......کیا کرتا ہے؟"

"وکیل ہے......پڑھا لکھا ہے......عمر 34 سال ہے مگر دیکھنے میں کم عمر لگتا ہے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔صاحب جائیداد۔"

"نی مسرت......سرفراز کے لیے کشمیری چائے گرم کر کے لا۔"

دادی نے پکارا۔"

"نالے گاجر دا حلوہ۔"

اب کے تایا جی چلائے۔

"ندیم نظر نہیں آرہا۔"

اویس کے پوچھنے پہ سب بغلیں جھانکنے لگے......کہ اب کیا بتاتے کہ ندیم ان کے آنے کا سنتے ہی کمرہ بند کر کے بیٹھ گیا تھا۔

"ڈیڈ آپ نے اسے بتا دیا کہ وہ صبح میرے ساتھ جا رہا ہے۔"

"میں بتانے والا تھا......سہیل......ندیم سے کہنا......کل ذرا جلدی جاگ جائے......اویس کے ساتھ ایمبیسی جانا ہے اسے۔"

"ایمبیسی؟"

"ہاں......میں اسے سپانسر کر رہا ہوں۔میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ اسے باہر جانے کا بہت شوق ہے۔"

اور یہ اندازہ بالکل ٹھیک لگایا تھا انہوں نے۔اسے صبا سے زیادہ دلچسپی اس کی نیشنلٹی میں تھی......شادی کا کیا ہے۔وہ تو باہر جا کے کسی سے بھی ہو جائے گی۔

یوں جسے جو چاہیے تھا وہ مل گیا۔چاہے اس طرح نہ سہی اس طرح سہی۔غرض کے رشتوں کی غرض پوری ہونی چاہیے۔غرض پوری ہو جائے تو سب مان جاتے ہیں......نہ پوری ہو تو......

فائزہ افتخار کی دیگر کتب

1- ہوا کچھ یوں کہ
2- جب آنکھ کھلی تو
3- نیناں ٹھگ لیں گے
4- پھلاں دے رنگ کالے
5- کیہ جاناں میں کون